29
TWENTY NINE YEARS OF PUBLISHING

ستمبر 2021

ماہنامہ ولی اللہ

ارمغان

₹ 25/-

ARMUGHAN, PHULAT
Muzaffar Nagar-251201 (U.P.)

پھلت، ضلع مظفر نگر (یوپی)
www.armughan.net

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

ماہنامہ

ارمغان

ولی اللہ

جلد ۲۹ شمارہ ۹ ستمبر ۲۰۲۱ء مطابق مُحَرَّمؒ ۱۴۴۳ھ

سر پرست :

حضرت مولانا محمد کلیم صد یقی

مجلس مشاورت

☆ مولانا محمد طاہر ندوی

☆ مولانا محمد اقبال قاسمی

☆ مفتی محمد ھا رون مظاھری

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں
ہر قسم کی چارہ جوئی کیلئے مظفرنگر کی عدالت سے رجوع کیا جائے

مدیر

وصی سلیمان ندوی

پتہ

دفتر ارمغان

پُھلت ضلع مظفر نگر

Phulat, Distt. Muzaffar Nagar

251201 (U.P.) INDIA

Mob : +91-7060450315

9359774316 , 9412411876

e-mail : arm313@gmail.com

armuganphulat@yahoo.com

Website: www.armughan.net

سرکولیشن انچارج: محمّد حنیف قاسمی

سرکولیشن منیجر : عبدالقدیر انصاری

مشیراعزازی:ایوب بھا ئی بارڈولی وا لے

چیف رپورٹر : محمد ادریس قریشی

مشیرقانونی : امجدعلی ایڈوکیٹ

موبا ئیل : 9897354040

زرتعاون

❖ فی شمارہ25روپے ❖ سالانہ300روپے ❖ سالانہ رجسٹرڈ ڈاک سے500روپے

❖ اعزازی تعاون1000روپے ❖ بیرونی ممالک سے30امریکی ڈالر ❖ لائف ممبرشپ8000روپے (برائے ۲۰سال)

پرنٹر پبلشر **محمد ادریس قریشی** نے ڈیلکس پریس راج مارکیٹ مظفرنگر سے چھپوا کر جمعیت شاہ ولی اللہ کیلئے پھُلت ضلع مظفرنگر سے شائع کیا

(مدیر:وصی سلیمان ندوی)

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

☆	اداریہ	وصی سلیمان ندوی	۳
☆	کامیابی کا راز	مولانا محمد کلیم صدیقی	۵
☆	آبادی پر کنٹرول کے لئے مجوزہ قانون	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۰
☆	غزل	جناب سرفراز بزمی	۱۲
☆	1857 کیا پہلی جنگ آزادی تھی؟	مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ	۱۳
☆	بین المذاہب شادی کا فتنہ	مولانا فہیم الدین بجنوری قاسمی	۱۷
☆	طلاق دینا کتنا آسان، کتنا مشکل؟	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	۱۹
☆	مسلمانوں کی پانچ بیماریاں	مولانا احمد ومیض ندوی	۲۱
☆	غزل	ڈاکٹر جمیل مانوی	۲۴
☆	مولانا ابوالجلال ندوی، دیدہ وشنیدہ وخواندہ	مولانا عبدالمتین منیری بھٹکلی	۲۵
☆	دعوتی سوالات اور میرے جوابات	جناب ریاض موسیٰ ملیباری	۳۱
☆	الموسوعۃ الحدیثیۃ لمرویات الإمام أبی حنیفۃ	مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی	۳۵
☆	خبروں کی دنیا	محمد ادریس ولی اللہی	۳۷
☆	فقہی مسائل	مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی	۳۸
☆	آخری صفحہ	مولانا محمد کلیم صدیقی	۴۰

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت **ستمبر** سے ختم ہورہی ہے، رسالہ کو مسلسل جاری رکھنے کے لئے دفتر کو اطلاع دیں یا فوراً رقم ارسال فرمائیں۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

دینی مدارس کا مستقبل

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

کورونا وائرس کی وجہ سے گزشتہ تقریباً ڈیڑھ برس سے پوری دنیا شدید بحران کا شکار ہے۔اور اس سے زندگی کا ہر شعبہ کسی نہ کسی حد تک طرح ضرور متأثر ہوا ہے، ہماری زندگی کے جو میدان اس عالمی وبا سے سب سے زیادہ متأثر ہوئے ہیں اور جن کا نقصان نا قابل تلافی ہوا ہے، ان میں ہمارے اسلامی مدارس بھی شامل ہیں، ایک طویل مدت تک مدارس کے دروازے بند رہ جانے کی وجہ سے دینی تعلیم و تربیت، ان کا نظم و انتظام، ان کی تعمیر و ترقی، اور اس نظام سے وابستہ اساتذہ اور طلباء، سب پر اس کے منفی اثرات محسوس کئے جارہے ہیں۔

کتنے ہی مدارس میں مالیات کی عدم فراہمی یا کم فراہمی کے سبب اساتذہ کی تنخواہیں نہیں دی جاسکی ہیں، بہت سے مدارس کے اساتذہ نے تنخواہوں کے نہ ملنے کے سبب ان اداروں کی خدمت ترک کر کے دوسرے میدان تلاش لئے ہیں، اور اب ان اداروں کے سامنے باصلاحیت اور قابل اعتماد اساتذہ کی فراہمی کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے، اور ظاہری حالات میں ضرورت کے بقدر اساتذہ کی حصول یابی مشکل ہی نہیں ناممکن دکھائی دے رہی ہے۔اساتذہ کی طرح مدارس کا ایک لازمی عنصر دینی خدمت کے لئے قربانی کا جذبہ رکھنے والے، اور دینی تعلیم کا فراواں جوش رکھنے والے طلباء ہوتے ہیں، مدارس کے تعطل کے اس دور میں جو طلباء حفظ قرآن کی تعلیم میں منہمک تھے، اور ان کو تعلیم جاری رکھنے کا موقع نہیں مل سکا، ماہرین کا خیال ہے کہ ان میں سے بہت سے بچوں کی عمر نکل گئی ہے، اور ان کے لئے حفظ قرآن جیسی تعلیمی کوشش میں لگے رہنا مشکل ہو جائے گا، جن بچوں نے زندگی کے دوسرے میدان اپنا لئے ہیں، اور کسی کاروبار یا معاش سے اپنا رشتہ استوار کر لیا ہے، ان کا اب دوبارہ اس میدان میں واپس آنا بہت دشوار ہے۔عربی درجات اور شعبہ عالمیت کے طلباء بھی اتنی طویل مدت تک تعلیم سے کٹ جانے سبب، یا کسی اور کام میں لگ جانے کے سبب دوبارہ اس راہ کو اختیار کر سکیں گے، اس سلسلہ میں بھی بہت سے اندیشے اور شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔

یکم ستمبر کے بعد اب جب کہ مدارس کے دوبارہ کھلنے، اور ان کا نظم و نسق جاری ہونے کی امید پیدا ہو چلی ہے، ان مدارس کے لئے سب سے بڑا چیلنج اچھے اور قابل اعتماد اساتذہ کی فراہمی، اور ذوق و شوق سے بھرپور طلباء کی فراہمی ہے، اور اس کے لئے بڑے پیمانہ پر مالیات کی فراہمی کی ضرورت ہوگی، جس کے بڑی فکرمندی اور ذہن سازی کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ دینی مدارس کا اس ملک کے مسلمانوں کی تعمیر و ترقی اور ان کی ہمہ جہتی بیداری میں نمایاں حصہ رہا ہے، اور اس کے احاطہ میں پڑھنے پڑھانے کا جو چلن اور رواج رہا ہے، اس نے دنیا کو جہالت کی تاریکیوں سے نکالا، اور دورِ جہالت اور جاہلیت کا خاتمہ کیا، بے جا رسم و رواج، اور غیر اسلامی نظریات کا قلعہ قمع کرنے میں بھی ان مدارس کا کارنامہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔یہاں کے فارغین نے دینی بنیادوں پر سماجی خدمات کے میدانوں میں بھی حصہ لیا، خدا بیزاری کے ماحول میں خدا شناسی کی ترغیب دی، انہوں

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

نے ''اجرت'' کے بجائے ''اجر'' کی نیت سے کام کیا اور سماج ومعاشرہ میں صالح قدروں کے فروغ کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی بہت سی کم زوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود (جن کی اصلاح کی طرف توجہ کی بہر حال ضرورت ہے) مجموعی طور پر مدارس اسلامیہ کا وجود ہماری ملت کی اولین ضرورت ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ان مدارس کی کما حقہ قدر نہیں کی، اوران کو وہ مقام نہیں دیا جس کے وہ مستحق تھے، اور خود ہماری جانب سے مدارس کے سلسلہ میں بہت سی غلط فہمیاں، بلکہ الزام تراشیاں پائی جاتی رہی ہیں۔ان مدارس کی اہمیت کو ہم سے زیادہ غیروں نے سمجھا اور محسوس کیا، اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مسلم دشمن طاقتیں دینی مدارس کو اپنی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی ہیں، اور انھیں دینی بیداری کا سب سے مضبوط وسیلہ تسلیم کرتی ہیں، وہ ان کی روشن تاریخ سے خوف زدہ ہوکر ان اداروں کو بدنام کرنے کی منظّم جدوجہد میں لگی ہوئی ہیں اور ان کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔اس دور میں مدارس کے خلاف اس قدر منفی پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ خود مسلمانوں میں بڑی تعداد میں مدارس کی افادیت سے عدم واقفیت پائی جاتی ہے، بلکہ ان کے خلاف طرح طرح کی غلط فہمیاں بھی موجود ہیں۔اور غیروں اور اسلام دشمن طاقتوں سے زیادہ خود مسلمانوں میں ان مدارس کی اہمیت اور افادیت کے سلسلے میں یہ غلط فہمیاں آئندہ نسلوں کیلئے خطرناک اور ملت کی بڑی بدقسمتی کی بات ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ان مدارس کی طرف سے بے اعتمادی اور بدگمانی خود اسلام سے بدگمانی اور دینی تعلیم سے محرومی ہے۔

دینی مدارس کے ذمہ داروں کے سامنے یہ جو مسائل اور مشکلات ہیں، ان کا علاج خود ان ذمہ داران مدارس کو ہی ڈھونڈنا ہوگا۔ اس کے لئے ملت میں مدارس کی افادیت اور ضرورت کا احساس اور ان کی عظمت اور قدردانی کے لئے ملت کی ذہن سازی کی فکر بھی کرنی ہو گی، اور یقینی دلائل وحقائق کی روشنی میں اعداد وشمار کے ساتھ یہ بھی باور کرانا ہوگا کہ ہماری دنیا اور آخرت بنانے میں ان مدارس کا کتنا اہم رول ہے، اسی کے ساتھ مدارس کے اندر پائی جانے والی کم زوریوں کا تجزیہ کرنا اور ان کا مناسب حل دریافت کرنا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔مدارس کے ذمہ داروں کو اپنے نصاب ونظام کو بہتر بنانے کے لئے باصلاحیت اور ذی استعداد اساتذہ کی فراہمی، عوام کی ذہن سازی کرکے دینی تعلیم کا شوق رکھنے والے طلباء کی فراہمی کی کوشش، احاطہ مدارس میں تعلیم وتعلیم کا چست اور درست انتظام، تعلیم سے بھی زیادہ طلباء کی دینی تربیت اور ان کو اسلامی اخلاق سے آراستہ کرنے کی فکر بھی اولین ترجیحات میں شامل کرنی ہوگی۔

اس مدت میں، مدارس اسلامیہ کا، اور مدارس سے ہونے والے دینی فیضان کا، یقیناً نقصان بہت ہو چکا، پانی بہت بہہ چکا، لیکن اب جب ایک بار پھر مدارس کو کھولنے کی تیاری کی جارہی ہے، ارباب مدارس کو اس تمام نقصان کا تجزیہ کرنا، اس کی تلافی کی کوشش کرنا، اور اس پورے نظام کو پہلے کی طرح بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرنا ایک بنیادی ضرورت ہے۔مدارس کی روشن اور تاب ناک تاریخ کو اپنے سامنے رکھ کر ایک بار پھر اسی پرانے جذبۂ بے اختیار اور جوش جنوں کو پیدا کرنے ضرورت ہے جس نے ماضی ان مدارس کو تاریخ ساز اور تاریخی بنادیا تھا، اور جن کے باعث آج تک اس ملک میں سرمایہ ملت، محفوظ اور دینی جذبات طاقت ور اور توانا ہیں۔دراصل مدارس اسلامیہ کو ایک بار پھر اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر اپنا وجود ثابت کرنے، اور اپنی افادیت کا بھرپور احساس دلانے کی ضرورت ہے۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

کامیابی کا راز

اور جنت کو واجب کر دینے والا ایک سہل نسخہ

مولانا محمد کلیم صدّیقی

دنیا میں رہنے والا ہر انسان چاہے وہ کسی مذہب، قوم، ملک یا طبقہ سے تعلق رکھتا ہو، وہ کامیابی چاہتا ہے، اگر آپ ان دو لوگوں سے الگ الگ سوال کریں جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں (اور اگر ایک دن کہتا ہو تو دوسرا رات کہتا ہو) کہ آپ کامیابی چاہتے ہیں یا ناکامی؟ تو اس مخالفت کے باوجود وہ دونوں اس بات کے متمنی ہوں گے کہ وہ کامیابی چاہتے ہیں۔ بلکہ ہر انسان جو پوری دنیا میں تگ ودَو کر رہا ہے وہ کامیابی کی تلاش میں کر رہا ہے، عجیب بات یہ ہے کہ جو انسان جس لائن سے کوشش کر رہا ہے، اپنے گمان میں وہ اس میں یقین کی حد تک کامیابی چاہتا ہے تاجروں کا خیال ہے تجارت میں کامیابی ہے، سرکاری ملازموں کا خیال ہے کہ ان کی لائن میں کامیابی ہے۔

ایک عقل منداور ہوش مند انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی لائن اور زندگی کا رخ متعین کرنے سے پہلے جستجو اور تحقیق کرے کہ جس کامیابی کی منزل کی اس کو تلاش ہے وہ کس لائن میں، اور کس راہ پر چلنے سے مل سکتی ہے۔ اس کے لئے اصولی بات یہ ہے اور تمام اہل عقل ودانش اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی سلسلہ میں آخری رائے اور قولِ فیصل اس کو سب سے زیادہ جاننے والے کا ہوتا ہے، بلکہ کسی بھی سلسلہ میں سند اور فیصلہ کرنے کا اختیار اس فن اور اس لائن کو سب سے زیادہ جاننے والے کا ہوتا ہے۔ تعمیر کے سلسلہ میں سب سے بڑے انجینئر کی رائے معتبر ہوتی ہے۔ قانون کے سلسلہ میں سپریم کورٹ اور عدالت عالیہ کا جج جو فیصلہ دیتا ہے وہ آخری درجہ رکھتا ہے، اس کے بعد اپیل کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ غرض کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی لائن ہو، اس کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے کی رائے ہی آخری درجہ رکھتی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ مشہور ہے:

ایک بادشاہ نے اپنے نائی کو بلا کر کہا کہ اگر تم سوتے ہوئے میری حجامت بنادو تو میں تمہیں سو روپئے انعام دوں گا۔

نائی نے کہا: جہاں پناہ! ضرور بنادوں گا۔

بادشاہ ایک روز سفر سے تھکے ہارے واپس آئے اور آکر سو گئے، نائی اپنی کسبت اٹھا کر لایا اور بڑی خوبی سے سوتے ہوئے بادشاہ کی حجامت بنادی اور بادشاہ کی آنکھ نہ کھلی۔

کافی دیر کے بعد جب بادشاہ کی آنکھ کھلی تو اس نے نائی کو دیکھ کر پوچھا: تم حجامت بنانے آئے ہو؟

نائی نے عرض کیا، حضور حجامت تو بنادی گئی ہے۔

آئینہ لایا گیا، بادشاہ دیکھ کر خوش بھی ہوا اور حیران بھی۔

اس نے حسبِ وعدہ نائی کو ایک سو روپئے انعام دیئے اور ملک کے سب سے بڑے نائی ہونے کا سرٹیفکٹ بھی عطا کیا۔

نائی خوش خوش گھر پہنچا، اور اپنی اہلیہ کو اپنے کارنامے کی خوش خبری سنائی اور ایک سو روپئے کے ساتھ وہ سرٹیفکٹ پیش کر دیا

بیوی نے سو روپئے تو حفاظت سے رکھ لئے اور سرٹیفکٹ پھاڑ کر کوڑے پر پھینک دیا۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

نائی کو بہت غم ہوا اور یہ خوف بھی محسوس ہوا کہ اگر بادشاہ کو علم ہوگیا تو ناحق جان جائے گی۔

اتفاق ایسا ہوا کہ بادشاہ کو اپنے سرفراز نامہ کے پھاڑے جانے کی اطلاع ہوگئی اور اس نے جلال میں آکر نائی اور نائن کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔

دونوں جب دربار میں حاضر ہوئے، تو بادشاہ نے اپنے سرٹیفکٹ پھاڑنے کی گستاخی پر سزا کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا۔

نائن نے ہمت کرکے کہا: جہاں پناہ انعام دینے کا حق تو آپ کو ہے، اور آپ کا انعام ہمارے لئے آخری درجہ کا اعزاز ہے، مگر حضور! ملک کے سب سے بڑے خلیفہ ہونے کا سرٹیفکٹ دینا آپ کا اختیار نہیں، یہ سرٹیفکٹ تو ملک کا بڑا نائی یا خلیفہ ہی دے سکتا ہے، کیونکہ آپ اس فن سے واقف نہیں۔

بادشاہ کو اس کی بات پسند آئی اور اس کو مزید انعام سے نوازا

حقیقت یہ ہی ہے کہ کسی بھی سلسلہ میں سب سے زیادہ جاننے والے کی رائے ہی سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے کامیابی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جاننے والے کی رائے ہی قولِ فیصل ہوگی۔

ایک مسلمان کا اس بات پر ایمان ہے کہ کامیابی عطا فرمانے والی، بلکہ کامیابی کو پیدا کرنے والی جو ذات ہے، یعنی احکم الحاکمین، اسی حکیم وخبیر کا حکم اس سلسلہ میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، جس چیز اور جس منزل کو اللہ کی ذات عالی کامیاب فرمائے وہ کامیاب ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے بڑے سے بڑے محقق اور ترقی یافتہ شخص کی رائے اللہ کی رائے کے مقابلہ میں اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتی جتنی ایک نالی کے گندے کیڑے کی کسی انجینئر کے، یا سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے مقابلے میں ہوتی ہے۔

کامیابی کے بارے میں اللہ کی رائے کیا ہے اس کو جاننے کے لئے (اللہ کا کرم اور احسان ہے کہ) ہمارے پاس قرآن کریم کا نسخہ موجود ہے، جس میں پوری انسانیت کے لئے زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿کل نفس ذائقة الموت ، وانما تُوفّون اجورکم یوم القیامة،فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز.﴾ (آل عمران:۱۸۵)

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم کو پوری پاداش تمہاری قیامت کے ہی دن ملے گی۔ تو جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوگا۔

پس عقل ودانش کی بات یہ ہے کہ ایک انسان کو اپنی ساری تگ ودو اور کوشش اس لائن پر کرنا چاہئے کہ کسی طرح مرنے کے بعد جنت میں جانے اور دوزخ سے بچنے کا یقین ہوجائے، دوزخ سے بچنے اور جنت میں جانے کے لئے سب سے صحیح ترین نسخہ بھی انسان کو اللہ کے کلام یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں مل سکتا ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خود قرآن کریم میں ارشاد ہے :

﴿وما ینطق عن الھویٰ ، ان ھو الا وحی یوحی﴾ (النجم:۳-۴)

اور آپ اپنی خواہش نفسانی سے بات نہیں کرتے، بلکہ ان کا ارشاد خالص وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

جنت میں جانے کا ایک یقینی اور آسان نسخہ، ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں، مشہور محدث امام حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے:

عن ھانی انه لما وفد علی رسول الله صلی الله علیه واله وسلم، قال: یا رسول الله، ایّ شئی یوجب الجنة؟ قال:علیک بحسن الکلام وبذل الطعام.

(مستدرک حاکم:۱/۲۳)

حضرت ہانی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے تو پوچھا۔ یا رسول اللہ! کون

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

سی چیز جنت کو واجب کر دیتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: حسنِ کلام، اور کھانا کھلانا۔

یعنی ان دو چیزوں کو لازمی طور پر پکڑنے سے جنت تم پر واجب ہوجائے گی، ایک بات اپنے لئے یہ لازم کرلو کہ جب بات کروگے تو زبان سے بہترین بات نکالوگے، اور دوسرے کھانا کھلانے کی بہتات رکھوگے۔ لہٰذا جو بات بھی انسان اپنی زبان سے نکالے تو وہ ایسی ہو جو موجب مؤاخذہ نہ ہو، بلکہ اس کی کوشش کرے کہ زبان سے نکلنے والا ہر کلمہ انسان کے لئے موجب اجر اور ذریعہ تقرب الی اللہ ہو۔

قرآن حکیم میں اچھی بات اور حسن کلام کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

﴿ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا، قال انني من المسلمین، ولا تستوی الحسنة ولا السیئة، ادفع بالتی ھی احسن، فاذا الذی بینک وبینه عداوة کأنه ولی حمیم، وما یلقّھا الا الذین صبروا، ومایلقّھا الا ذوحظ عظیم، واما ینزغنّک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم.﴾

(سورہ فصلت:۳۳۔۳۶)

''اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے، جو اللہ کی طرف بلائے، اور نیک عمل کرے، اور کہے کہ میں فرماں بردار وں میں سے ہوں، اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ اس (بدی) کو نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے، پھر یکا یک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے، اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جو بڑے مستقل مزاج ہیں اور یہ اس کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے''

یعنی عنداللہ سب سے محبوب بات اور آخری درجہ میں سب سے اچھی بات دعوت الی اللہ ہے۔ اس شخص کی بات جو خود بھی نیک عمل کرتا ہے، اور اپنے اسلام کو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کا اظہار کرتا ہو، اس لئے دعوت اس شخص کی ہی مؤثر ہوتی ہے جس کی دعوت کی پشت پر کردار اور عمل صالح بھی ہو۔ یہ دعوت خیر اور ہمدردانہ تبلیغ ان لوگوں کے ساتھ بھی جاری رہنی چاہئے، جو ہمارے ساتھ بدخواہی، بدزبانی اور دشمنی کا معاملہ کرتے ہیں، اگر ایسا کیا گیا تو پھر:

فاذا الذی بینک وبینه عداوة کأنه ولیّ حمیم

پھر یکا یک آپ میں اور جس میں دشمنی ہے وہ ایسا ہوجائے گا، جیسے کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

یعنی آخری درجہ کا دشمن بھی جگری دوست بن جائے گا، برائی اور دشمنی کرنے والوں کے ساتھ خیر خواہی اور ان کو دعوت دینے میں انسان کا ازلی دشمن شیطان بڑی رکاوٹ ہوتا ہے اس کے لئے حکم ہے کہ اللہ سے پناہ طلب کرلیا کرو۔ اور پھر دشمنوں اور بدخواہوں کے ساتھ خیر خواہی کے دلیرانہ اور بہادرانہ کارنامے کے لئے دادِ تحسین یوں عطا کی جارہی ہے کہ:

﴿وما یُلقّھا الا الذین صبروا، وما یُلقّھاالا ذوحظ عظیم﴾

''یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو مستقل مزاج ہیں، اور اس کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے''۔

یہ کارنامہ صرف اہل ہمت اور مخالف ماحول میں ڈٹ جانے والے ہی انجام دے سکتے ہیں، اور وہ لوگ جن کو اس کا ذوق لگ گیا ہو اور ان کو اس کا مزہ نصیب ہو۔

ایک جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن، ان الشیطان ینزغ بینھم ان الشطان کان للانسان عدُوّا مبینا.﴾ (سورہ بنی اسرائیل:۵۳)

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہتر ہوں، شیطان لوگوں میں فساد ڈالوا دیتا ہے۔ واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

جنت کے داخلہ کو یقینی بنانے والے، اور جنت کو واجب کرنے والے دعوت دین کے اس نسخہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھلانے اور دسترخوان کی دعوت کا حکم فرمایا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ دعوت دین کا دعوت طعام اور دسترخوان کے ساتھ بڑا گہرا رشتہ ہے۔ ایک حکمت تو یہ ہے کہ دعوت دین کے لئے اپنے مدعو کو دسترخوان پر بلا کر جو دعوت دی جاتی ہے وہ مؤثر ہوتی ہے، دیہاتی مثل مشہور ہے کہ

''منھ کھائے اور آنکھ لجائے''

تبلیغ ودعوت کو دسترخوان کی دعوتِ طعام سے جوڑنا بڑی حکمت رکھتا ہے۔

اسلام کی ابتداء میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا: **وانذر عشیرتک الأقربین** اور اپنے قریبی کنبہ والوں کو ڈرایئے: تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دولت خانے پر ایک کھانے کی دعوت کا اہتمام فرمایا، اور اچھی دعوت طعام کے بعد اپنی دعوت اور تبلیغ پیش فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر دعوت کو مؤثر بنانے کے لئے دعوت طعام کا سلسلہ جاری رکھا، اور صحابہ کرام کو مسلسل کھانا کھلانے کی طرف راغب فرماتے رہے۔

کھانا کھلاتے رہنے، اور اپنے دسترخوان پر اہل تعلق، رشتہ داروں، دوستوں اور مہمانوں کو مدعو کرتے رہنے سے انسان کی اخلاقی تربیت ہوتی ہے، اور اس کی فطرت پر اس کا مثبت اثر پڑتا ہے، اور انسان کے اندر جود وسخا، ہمدردی، حلم اور سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے اندر سے بد اخلاقی، سختی، اور بخل وغیرہ کے رذائل جاتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ انسانی جسم میں معدہ اور قلب کی جگہ بالکل قریب قریب ہے اور معدہ کے ساتھ قلب کا بڑا گہرا رشتہ ہے، زبان کے راستہ سے معدہ میں جانے والی ہر غذا انسان کے قلب کو متاثر کرتی ہے اس طرح دعوت طعام، دعوت دین کے لئے بڑی معاون ہے۔ اس کے علاوہ فرمانِ رسول میں کلام احسن کے ساتھ کھانا کھلانے کو جوڑنے میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ تبلیغ ودعوت کا اسلوب، ماحول اور طریقہ سمجھنے، اور اس کا صحیح ذوق حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

کوئی بھی آدمی اگر کسی دعوت کے لئے لوگوں کو مدعو کرتا ہے تو بہت عاجزی کے ساتھ پہلے بہت خوبصورت انداز میں دعوت نامے تیار کر کے پیش کرتا ہے۔ دعوت نامہ دینے میں انسان اپنے مدعو کا آخری درجہ اکرام کرتا ہے، بار بار اصرار کرتا ہے۔ دعوت کی خوبیاں اور اپنا حق جتاتا ہے، دعوت نامہ کے بعد مدعو کے لئے مدعو کی رغبت کا لحاظ کر کے انواع واقسام کے کھانوں کا نظم کرتا ہے ،خوب صورت ماحول بناتا ہے۔ دسترخوان کو دلکش بناتا ہے، اور دعوت کے وقت دروازہ پر کھڑا ہو کر اپنے مدعو کا استقبال کرتا ہے، اس کے کپڑوں میں عطر لگاتا ہے، گلے میں ہار ڈالتا ہے، پھر دسترخوان پر بٹھا کر آخری درجہ میں کوشش کرتا ہے کہ میرا مدعو میرے دسترخوان سے سیر ہو کر جائے۔

اگر کوئی شخص کسی دوست کی دعوت کرے اور بڑے سخت لہجے میں کہہ دے کہ ہمارے یہاں کھانے کی دعوت ہے، ہمیں تو خبر دینی تھی دیدی، آپ کی مرضی ہے، آنا ہو تو آنا، ورنہ نہ آنا۔ اس طرح کوئی بے غیرت انسان بھی اس کے دروازے پر نہیں آسکتا۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے دروازہ پر کھانا پکوا کر رکھ دے اور آنے والوں سے کہہ دے کہ ہم نے نظم کر دیا آپ اپنے آپ کھانا لے کر اور کھا کر چلے جائیں تو ظاہر ہے کہ کون اس ذلت کو برداشت کرے گا۔

دعوت طعام کے اس اسلوب کو سمجھ کر ایک داعی اپنے مدعو پر دعوت وتبلیغ کا حق ادا کرے گا تو دعوت مؤثر ہوگی۔ امت کا ہر فرد

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجائے ہوئے اس دسترخوان دین اسلام کا ذمہ دار ہے۔ دین نے ہم کو اپنا خاص کارندہ اور گھر کا فرد بنا کر ہم پر ذمہ داری ڈالی ہے۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ مدعو قوموں کے لئے اس دسترخوان کو دلکش بنانا ہے۔ اسلام کے ہر حکم کو معروف بنانا ہے اور پھر اس معروف کا حکم دینا ہے۔ معروف کا مطلب یہی ہے کہ احکام اسلام اور اوامر مدعو کے لئے اجنبی نہ ہوں، بلکہ وہ ان کی حکمت اور خوبی سے واقف ہو اور اسے اپنی ضرورت سمجھے، صرف اتنا کافی نہیں کہ ہمارا فرض تو پہنچانا تھا پہنچا دیا۔ قبول کرنا ہو قبول کرو، ورنہ آپ کی مرضی۔

بلکہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے مدعو کا استقبال کریں، اس کا اکرام کریں، اس کی رغبت اور مزاج کو سمجھیں۔ دسترخوان اسلام کی ہر نعمت خود بڑی دلکش اور فطرت انسانی کو راغب کرنے والی اور ہر صاحب ضمیر و عقل کو لبھانے والی ہے۔ کہ ہر آدمی خود ہی اس دسترخوان کو دیکھنے کے بعد رال ٹپکائے۔ لیکن ہم نے اپنے کردار کی گندگی، غیر اسلامی رسموں کی ملاوٹ اور دسترخوان اسلام کی لذیذ مقوی اور مفرح غذاؤں کو سڑا کر لوگوں کی نظروں میں گھناؤنا بنا دیا ہے۔

ہماری اپنی ذاتی ضرورت بلکہ سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے ہوئے اس نسخہ کو استعمال کریں۔ اور جنت کو واجب کرنے کے لئے اپنی زبان پر خوبی اور بھلائی کی بات کو لازم کرلیں، اور ہمیشہ اچھی بات کہنے کی عادت ڈالیں، اور اس میں بھی قولِ احسن دعوت الی اللہ کے لئے اپنی زبان کو وقف کریں۔ اور اپنی آواز کو مؤثر بنانے کے لئے دعوت طعام کی کثرت سے مدد لیں، اور اپنے دعوت وتبلیغ کے کام کو طریق، اسلوب اور ذوق کے لحاظ سے، دسترخوان کی دعوت، اس کے ماحول اور اس کے مزاج کو سمجھ کر اس کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

☆

تین فطری قوانین

پہلا قانون فطرت :

اگر کھیت میں دانہ نہ ڈالا جائے تو قدرت اسے گھاس پھوس سے بھر دیتی ہے۔ اسی طرح اگر دماغ کو اچھی فکروں سے نہ بھرا جائے تو کج فکری اسے اپنا مسکن بنا لیتی ہے۔ یعنی اس میں صرف الٹے سیدھے خیالات آتے ہیں اور وہ شیطان کا گھر بن جاتا ہے۔

دوسرا قانون فطرت:

جس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ وہی کچھ بانٹتا ہے۔

خوش مزاج انسان خوشیاں بانٹتا ہے۔

غمزدہ انسان غم بانٹتا ہے۔

عالم علم بانٹتا ہے۔

اچھا انسان اچھائی بانٹتا ہے۔

خوف زدہ انسان خوف بانٹتا ہے۔

کمینہ انسان کمینگی ضرور دکھاتا ہے۔

تیسرا قانون فطرت:

آپ کو زندگی میں جو کچھ بھی حاصل ہو اسے ہضم کرنا سیکھیں، اس لئے کہ

کھانا ہضم نہ ہونے پر بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

مال وثروت ہضم نہ ہونے کی صورت میں ریاکاری بڑھتی ہے

بات ہضم نہ ہونے پر چغلی اور غیبت بڑھتی ہے۔

تعریف ہضم نہ ہونے کی صورت میں غرور میں اضافہ ہوتا ہے

مذمت کے ہضم نہ ہونے کی وجہ سے دشمنی بڑھتی ہے۔

غم ہضم نہ ہونے کی صورت میں مایوسی بڑھتی ہے۔

اقتدار اور طاقت ہضم نہ ہونے کی صورت میں خطرات میں اضافہ ہوتا ہے۔

آیئے! اپنی زندگی کو آسان بنائیں اور ایک با مقصد اور با اخلاق زندگی گزاریں، لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کریں۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

آبادی پر کنٹرول کے لئے مجوزہ قانون

——— مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اس وقت ملک کی مختلف ریاستوں میں آبادی پر کنٹرول کے لئے ایک قانون متعارف کرانے کی کوشش کی جارہی ہے، اس کے مطابق الیکشن میں وہی لوگ حصہ لے سکیں گے جن کے دو سے زیادہ بچے نہ ہوں، گویا الیکشن کو فیملی پلاننگ کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے، اور تمام سرکاری مراعات بھی بچوں کی تعداد سے جوڑی جارہی ہیں، غور کیا جائے تو یہ نہایت ہی نامنصفانہ اور نامعقول اُصول ہے، اور کسی طرح اس کا جواز نہیں ہے۔

اولاً: تو یہ بات دیکھنے کی ہے کہ کیا یہ اُصول ملک کے دستور اور عقلِ عام کے تقاضے کے مطابق ہے؟

دوسرے: کیا الیکشن میں اس طرح کی قیود وحدود واقعی فیملی پلاننگ کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مفید ہوں گی؟

تیسرے: خود فیملی پلاننگ کا نظریہ کس حد تک عقل اور قانونِ فطرت کے مطابق ہے؟

جہاں تک اس قانون کی معقولیت کی بات ہے تو الیکشن میں کھڑے ہونے کا مقصد قوم کی اجتماعی خدمت کا فریضہ انجام دینا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ انسان کے اندر انتظامی صلاحیت اور دیانت ہو، انتظامی صلاحیت کا تعلق انسان کے فہم، سمجھ بوجھ، دماغی صلاحیت اور قوتِ فکر سے ہے اور دیانت کا تعلق انسان کے قلب و ضمیر، جذبہ خدمت اور خلوص سے ہے، اسی لئے قرآن مجید نے بہترین وَرکر اس شخص کو قرار دیا ہے جو قوی اور امین ہو: إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (القصص:۲۶) ''قوی'' سے مراد باصلاحیت اور مفوّضہ کام کی اہلیت کے مطابق ہونا ہے اور ''امین'' سے اشارہ امانت و دیانت کی طرف ہے، حقیقت یہ ہے کہ قیادت کے لئے اس سے بہتر کوئی معیار نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس کے سوا کوئی معیار ہی نہیں ہوسکتا؛ اس لئے اگر انتخابی قوانین میں تعلیم کے ایک خاص معیار کی شرط ہوتی یا کردار کی پاکیزگی ملحوظ ہوتی، مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والوں کو، اور جاہل اور کندہ ناتراش قسم کے نیتاؤں کو روکنے کی سعی کی جاتی تو یہ یقیناً ایک معقول اور مناسب بات ہوتی؛ لیکن اس کو بچوں کی تعداد سے متعلق کر دینا ایک ایسا معیار ہے جو عقل اور فطرت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، کیا دو اور اس سے کم اولاد والے زیادہ سمجھ دار، دیانت دار، معاملہ فہم اور جذبہ خدمت کے حامل ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے، اس سے بھی زیادہ نامعقول بات یہ ہے کہ جس کے بچے زیادہ ہوں، ان کو سرکاری رعایتوں سے محروم کر دیا جائے، رعایتیں ملک کے شہری ہونے کی وجہ سے دی جاتی ہیں، نہ کہ بچے کم یا زیادہ پیدا کرنے کے لحاظ سے۔

پھر غور کیجئے کہ دستور و آئین اور جمہوری روایات سے اس کا کیا تعلق ہے؟ دستور تمام بالغ مردوں اور عورتوں کو الیکشن میں اُمیدوار بننے کا یکساں حق عطا کرتا ہے، اس جمہوری تقاضے کو اتنی وسعت دی گئی ہے کہ جو لوگ کھلے ہوئے مجرمانہ ریکارڈ رکھتے ہیں، پولیس کے نامزد مجرم ہیں اور جنھوں نے رشوت ستانی کی ایک تاریخ بنائی ہے، انھیں بھی الیکشن میں اُمیدوار بننے سے روکا نہیں جاسکتا، تو آخر یہ کیسا انصاف ہوگا کہ ایک شخص کو محض اس لئے الیکشن میں اُمیدوار بننے سے روکا جائے کہ اس کے بچے زیادہ ہیں اور اتفاق سے اولاد کے بارے میں قدرت اس پر زیادہ

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

مہربان ہے؟ اس لئے ملک کا دستور وآئین بھی ایسے قوانین کے حق میں نہیں ہے۔

الیکشن میں اُمیدوار بننے والوں کا تناسب بہت ہی معمولی ہوتا ہے، ان کی تعداد عام لوگوں کے مقابلہ ایک فی لاکھ سے بھی کم ہوگی، اگر آبادی میں ایسے چند افراد دو بچوں پر قناعت کرلیں، تو اس سے اس مقصد کے حاصل کرنے میں کوئی خاص مدد نہیں ملے گی، اس کے برعکس اندیشہ یہ ہے کہ اس سے بہت سے مفاسد جنم لیں گے، ممکن ہے لوگ اپنی اولاد کے سلسلہ میں غلط حلف نامے داخل کریں اور اس کو بنیاد بنا کر آئندہ مقدمہ بازیاں ہوں، بھائی بھائی کے رشتہ کا انکار کرے، جائز اولاد ناجائز قرار دی جائے، مال وزر کی حرص وطمع میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ اپنے ہی بھائی کے نسب کا انکار کر دیا جاتا ہے، اس لئے حکومت جو کچھ چاہتی ہے، اس مقصد کے لئے بھی یہ کوئی مفید صورت نہیں ہے، اور جب حکومت اپنی اس پالیسی کو وسعت دیتے ہوئے دوسرے شعبوں میں بھی اسی طرح کے قوانین نافذ کرے گی، تو اگر ملازمتوں اور حکومت کے وسائل سے استفادہ کی صورتوں میں بھی یہ پالیسی اختیار کی گئی، تو یہ نہایت ہی نقصان دہ بات ہوگی، اس سے حق داروں کی حق تلفی ہوگی اور ملک کی لگام نااہل لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی اور کسی بھی ملک اور قوم کے لئے اس سے زیادہ مضرت رساں بات اور کیا ہوسکتی ہے؟

خود فیملی پلاننگ ایک ایسا نظریہ ہے جس کو تجربات اور واقعات نے رَد کر دیا ہے، جو لوگ اس نظریئے کے بانی اور مؤسس تھے، ان کے قیاس کی رُو سے اس وقت دنیا کو دانہ دانہ کا محتاج ہونا چاہئے تھا اور انسانیت کے بہت بڑے حصہ کو فاقوں پر گذر کرنی چاہئے تھی؛ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا؛ بلکہ پوری دنیا میں فی کس آمدنی میں اضافہ ہورہا ہے، پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں بھی معیارِ زندگی بلند ہوا ہے، کھانے پینے، لباس و پوشاک، سواری اور زندگی کے ہر شعبہ میں راحت بخش وسائل کا استعمال بڑھا ہے، زمینوں کی پیداوار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور اگر مغربی ممالک اپنی زراعتی ٹکنالوجی ترقی پذیر ممالک کو فراہم کریں تو زرعی وسائل میں نا قابل تصور اضافہ ہوسکتا ہے، جو انسان کی سب سے بنیادی ضرورت ہے اور ایسا سبز انقلاب رونما ہوسکتا ہے جو کسی شخص کو بھوکے پیٹ نہ سلائے، گذشتہ سو ڈیڑھ سو سال میں بعض ایسے قدرتی وسائل بھی انسانوں کی گرفت میں آئے ہیں، جنھوں نے صحراؤں اور ریگستانوں کو باعث رشک کر دیا ہے، کیا قدرت کی اس فیاضی کے باوجود فیملی پلاننگ کا نظریہ کوئی معنویت رکھتا ہے، اور اس کو قانونِ فطرت سے ہم آہنگ قرار دیا جاسکتا ہے؟

ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ آج دنیا میں ہمارے ملک کو جو اہمیت حاصل ہے، یا حاصل ہوتی جارہی ہے، اس کی بنیاد کیا ہے؟ یہ بات کیوں کہی جاتی ہے کہ ہم دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہیں؟ ترقی یافتہ ممالک اپنی سرمایہ کاری کے لئے ہماری طرف کیوں متوجہ ہیں؟ اور ملٹی نیشنل کمپنیاں کیوں ہماری دل داری کرتی ہیں؟ حالاں کہ نہ ہم صنعت وٹکنالوجی میں جاپان کی ہمسری کرسکتے ہیں، نہ دفاعی طاقت میں امریکہ اور روس کی، نہ ہمارے پاس سعودی عرب اور کویت کی طرح قدرتی وسائل ہیں، نہ ہماری برآمدات کا دامن چین کی طرح وسیع ہے۔

پھر بھی ہماری اہمیت اس لئے ہے کہ یہ آبادی کے اعتبار سے بہت بڑا ملک ہے، یہ اشیاء کی کھپت کے لحاظ سے بہت بڑی مارکیٹ ہے، یہ افرادی وسائل کے اعتبار سے بہت خوش قسمت خطہ ہے، پوری دنیا کو یہاں سے ماہرین ملتے ہیں اور ہر جگہ یہاں کے محنتی اور ذہین مزدور، ورکرس اپنے وجود کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں، اگر شرح پیدائش پر بہت زیادہ کنٹرول ہوجائے اور افرادی وسائل ہمارے پاس کم ہوجائیں اور مسلسل آبادی کم کرنے کی کوشش کی جاتی رہے تو ہم کس طرح اپنی اس اہمیت کو برقرار رکھ سکیں گے۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

اسلامی نقطۂ نظر اس سلسلہ میں دو اور دو چار کی طرح واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا صرف خالق ہی نہیں؛ بلکہ وہ اس کا رب اور پالن ہار بھی ہے، کائنات کے ایک ایک ذرہ پر اس کی نظر ہے، وہ ایک منصوبہ کے ساتھ آبادی کو بڑھاتا اور گھٹاتا اور اس کے رزق کا انتظام کرتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رزق کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم اس کو ایک متعین مقدار میں عطا کرتے ہیں:

''وَمَا نُنَزِّلُهُ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ''(الحجر:۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی ضرورت کے لحاظ سے غذائی وسائل فراہم کرتے رہتے ہیں

قرآن کہتا ہے کہ دنیا میں کتنے ہی جانور ایسے ہیں، کہ بظاہر ان کی روٹی روزی کا کوئی سامان نہیں؛ لیکن یہ اللہ کی رزق رسانی کا کرشمہ ہے، کہ وہ تم جیسے قوتِ عمل اور فہم وشعور کی حامل مخلوق کو بھی رزق دیتا ہے اور ان کو بھی:

''اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ''(العنکبوت:۰۶)

قرآن نے ایک موقع پر یہ بات بڑی وضاحت سے کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی چاہت کے مطابق رِزق کا سروسامان فراہم فرماتے ہیں؛ کیوں کہ وہ اپنے بندوں سے ہر آن باخبر ہیں اور انھیں دیکھ رہے ہیں:

''وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ''(الشوریٰ:۲۷)

جب ایک کم زور انسان اپنی کوتاہ عملی اور اپنی فکر ونظر کی محدودیت کے باوجود ایک مرتب نظام کے ساتھ ہر کام انجام دیتا ہے اور دنیا کی حکومتیں اپنی رعایا کی ضرورتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا بجٹ بناتی ہیں تو کیا خدائے علیم وبصیر اور رزّاق وقدیر کو اپنے بندوں کی ضرورت اور کائنات میں اس کے پیدا کئے ہوئے وسائل کا کچھ اندازہ نہ ہوگا۔؟

غزل

ایک طرحی غزل

گرمیِ ذوق طلب ہجر کے نالے مجھ کو
قید رکھتے ہیں اسی چاند کے ہالے مجھ کو

شہر میں تیرہ شبی بانٹ کے خوش مت ہونا
کل اسی شہر میں ڈھونڈیں گے اجالے مجھ کو

زخمِ عریاں سے تو ہوتی ہے وفا کی تذلیل
رحمتِ حق ترے دامن میں چھپالے مجھ کو

برکت رزق سے تابندہ مری پیشانی
زہر ہو جائیں نہ مشکوک نوالے مجھ کو

تیری نظروں سے گروں گا تو بکھر جاؤں گا
اشکِ بے تاب ہوں، پلکوں پہ سجالے مجھ کو

گر گئی دل کے سمرقند و بخارا کی فصیل
دشمن جاں کوئی چنگیز نہ آ لے مجھ کو

کیا ضروری ہے اندھیرے کو اندھیرا لکھنا
مشورہ دیتے ہیں سچ بولنے والے مجھ کو

زندگی آگ کا دریا میں تھکا سا تیراک
اب بھلا تیرے سوا کون سنبھالے مجھ کو

میں نے سر دے کے بچائی ہے اَنا کی دستار
حرصِ دستار میں بزمی وہ نہ ڈالے مجھ کو

سرفراز بزمی
سوائی مادھو پور (راجستھان)

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

۱۸۵۷ء کی جدوجہد

کیا ''پہلی'' جنگ آزادی تھی؟

حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحبؒ

مرکزی حکومت نے یہ مان لیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے پہلی مسلح جدوجہد ۱۸۵۷ء میں ہوئی تھی، اس لئے پہلی جنگ آزادی کی ڈیڑھ سو سالہ تقریبات منانے کا فیصلہ کیا گیا اور اس مد میں قابل لحاظ رقم خرچ کی گئی، سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر پہلی جنگ آزادی کی ڈیڑھ سو سالہ یادگار تقریبات کا سلسلہ چل پڑا ہے، ان تقریبات میں کی جانے والی تقریروں سے یہی تأثر پیدا ہوتا ہے کہ ملک کی پہلی جنگ آزادی کی مسلح کوشش ۱۸۵۷ء میں میرٹھ سے شروع اور دہلی پر ختم ہوئی۔ جس کا پورے ملک پر اثر پڑا، جب کوئی بات چل پڑتی ہے اور اسے حکومت اور میڈیا کی پشت پناہی مل جاتی ہے تو حقیقت پردہ میں چلی جاتی ہے اور ''غلط'' لوگوں کے ذہنوں میں حقیقت بن جاتا ہے، ایک واقعہ سنیے!

۱۰/مئی ۲۰۰۷ء کو پارلیمنٹ کے سنٹرل ہال میں ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی یادگار تقریب منائی جارہی تھی، اس تاریخی موقع پر صدر جمہوریہ ڈاکٹر اے۔ پی۔ جے۔ عبدالکلام، وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ، مسز سونیا گاندھی- چیرمین یو پی اے، حزب مخالف کے سربراہ لال کرشن اڈوانی، مرکزی وزراء، لوک سبھا کے اسپیکر سومناتھ چٹرجی، ڈپٹی اسپیکر چرنجیت سنگھ اٹوال، ڈپٹی چیرمین راجیہ سبھا، کے رحمان خان اور تقریباً تمام ارکان پارلیمنٹ سنٹرل ہال میں موجود تھے، مسٹر بھیروں سنگھ شیخاوت نائب صدر جمہوریہ اور راجیہ سبھا کے چیرمین کی تقریر ہورہی تھی، اور اس سے یہی تأثر ابھر رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی ہوئی۔ ان کی تقریر کے دوران ڈپٹی اسپیکر مسٹر چرنجیت سنگھ اٹوال نے مداخلت کی، اور کہا: ''۱۸۵۷ء سے پہلے ۱۸۴۵ء میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی، ان تقریبات میں اس تاریخی واقعہ کا ذکر ضروری ہے''۔ اکالی دل کے مسٹر رتن سنگھ اور مسٹر ویریندر سنگھ نے ان کی بھرپور تائید کی، اس مداخلت پر صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم سمیت پورا ہاؤس سناٹے میں آگیا، یہ وہ مرحلہ تھا جہاں نائب صدر جمہوریہ بھیروں سنگھ شیخاوت نہ تردید کرسکتے تھے نہ تائید۔

مسٹر چرنجیت سنگھ اٹوال ڈپٹی اسپیکر لوک سبھا نے سچائی کی ایک روشنی جلا دی کہ آزادی کی مسلح جدوجہد ۱۸۵۷ء سے پہلے شروع ہوچکی تھی۔ وہ سکھ ہیں انہیں کم از کم اپنی تاریخ یاد ہے، انہوں نے اپنے علم کے مطابق بات کہہ دی، افسوس ہے کہ اس پڑھے لکھے بھرے پُرے ہاؤس میں ایک تاریخ داں ایسا نہ تھا جو اس غلط تاریخ سازی کا سمت قبلہ درست کرتا اور چند جملے کہہ جاتا۔ ہوسکتا ہے بعض دوسرے تاریخ داں بھی یہی مانتے ہوں کہ میرٹھ سے لے کر دہلی تک کی ۱۸۵۷ء میں کی گئی جدوجہد آزادی پہلی مسلح جنگ آزادی تھی، میرے علم میں سب سے پہلے یہ بات مسٹر ساورکر نے کہی تھی اور اس جنگ میں مسلمانوں کے رول کی تعریف کی تھی۔

سچائی یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو پہلی مسلح جنگ آزادی قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ''یہ تاریخ کی سیاسی تصنیف'' تو کہی جاسکتی ہے، تاریخی حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، انگریزوں سے باقاعدہ منظّم جنگ علی وردی خاں نے بنگال میں ۱۷۵۴ء میں کی تھی، بعد میں اور بھی قابل ذکر تاریخ ساز جنگیں انگریزوں سے لڑی گئیں، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی میرٹھ سے نہیں کلکتہ سے شروع ہوئی تھی پھر میرٹھ پہنچی۔ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج سے سب سے بڑی آخری منظّم جنگ آزادی تھی۔

معتبر تاریخی کتابوں میں جدوجہد آزادی اور انگریزوں کو بھگانے کی مسلح جدوجہد کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے، جسے صرف اس لئے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس جدوجہد کی قیادت مسلمان یا

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

سکھ کر رہے تھے۔ انگریزوں کے خلاف ملک کے مختلف حصوں میں بار بار مسلح جدوجہد کی گئی، ان مسلح کوششوں کا اثر تدریجاً پورے ملک پر پڑا، اور انگریزوں کو بحیثیت حاکم ملک سے نکالنے کا مزاج بنتا گیا۔ یہ کوششیں اس لئے کامیاب نہیں ہوسکیں کہ پورے ملک میں جذبہ آزادی بیدار نہیں ہوا تھا۔ انگریز پلاننگ کے ساتھ اپنا دائرہ حکومت بڑھا رہے تھے، اور آزادی کے لئے جان دینے والے پورے ملک میں منظّم اور متحد نہیں تھے اور نوابوں اور راجاؤں کا دربار انگریزوں کی سازشوں کے گھیرے میں آچکا تھا۔

کسی بھی جدوجہد کیلئے پہلے افراد کی ذہن سازی ضروری ہے، اور یہ کام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ولادت ۱۷۰۳ء / وفات ۱۷۶۲ء) نے ۱۷۳۱ء میں باقاعدہ شروع کیا۔ حضرت شاہ صاحب کی تحریریں محفوظ ہیں، آزادی ہند کے لئے انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو خط بھی لکھا، وہ مدرسہ رحیمیہ مہندیان میں اور اپنے سلسلہ درس قرآن میں آزادی کے لئے افراد سازی کا کام کرتے رہے، حضرت شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے شاگرد اور مرید برما سے لے کر عرب ممالک اور افریقہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ اندرون ملک علماء کرام میں ''آزادی کا حوصلہ'' بلند ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ انگریزوں نے عام ہندوستانیوں کے علاوہ کم از کم انیس (۱۹) ہزار علماء کو شہید کیا (بعض مؤرخین نے شہید علماء کی تعداد (۵۲) باون ہزار لکھی ہے)۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد ان کی درس گاہ کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے آباد رکھا، وہ درس و تدریس کے ساتھ وطن دوستی اور انگریز دشمنی کا مزاج بھی بناتے رہے، انگریزی حکومت کے خلاف ان کا مشہور فتویٰ جہاد تاریخ اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اس فتویٰ کی مسجدوں کے ذریعہ بڑے پیمانے پر اشاعت ہوئی اور انگریزی حکومت کی غلط کاری اور ملک پر اس کے نقصان دہ اثرات عوام پر واضح ہوئے۔ ۱۷۳۱ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک ایک سو چھبیس (۱۲۶) سال کا وقفہ ہے اس مدت اور اس میں کی گئی فکری اور عملی جدوجہد آزادی تاریخ کا حصہ نہ بنتی تو سچی بات یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کا انقلابی اقدام نہیں ہوتا۔

علماء کرام نے ہر جگہ حضرت شاہ ولی اللہ کے اس پیغام کا نوٹس لیا، اور ۱۷۳۵ء میں علماء صادق پور نے جدوجہد شروع کی، ان علماء کے اثرات صرف بہار پر نہیں بلکہ پورے ملک پر تھے، جن سے کام لیا گیا، تاریخ کی کتابوں میں اسے ''وہابی موومنٹ'' سے یاد کیا جاتا ہے، علماء صادق پور نے عوام وخواص میں آزادی کی روح پھونکنے میں بڑی مدد دی، علماء صادق پور (پٹنہ) کی یہ جدوجہد سو سال تک جاری رہی، جب ۱۸۳۵ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم صادق پوری کو گرفتار کر کے کالا پانی (جزائر انڈمان) بھیجا گیا، ان کے مکانات اور قبرستان پر انگریزوں نے قبضہ کیا اور انہیں مٹا کر میونسپلٹی اور دوسرے دفاتر بنا دیئے، تو یہ مرکز جدوجہد کمزور پڑ گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے زیر اثر علماء نے پورے ملک میں آزادی کی جدوجہد شروع کر دی، یہ تاریخ ہند کا گراں قدر حصہ ہے۔

انگریزوں نے اتر ہندوستان میں کلکتہ کو اپنا مرکز بنایا، تاکہ سمندری راستہ سے انہیں مدد ملتی رہے اور دہلی سے دور رہ کر تدریجاً دہلی اور پورے ملک پر قبضہ کیا جائے۔ کلکتہ کا ڈائمنڈ ہاربر اور فورٹ ولیم انگریزوں کا مرکز تھا۔ سراج الدولہ کے نانا علی وردی خاں نے خطرہ کو محسوس کر لیا تھا، اور ۱۷۵۴ء میں فورٹ ولیم پر حملہ کر کے انگریزوں کو بھگا دیا، انگریز ڈائمنڈ ہاربر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اسے پہلی منظّم اور مسلح جنگ آزادی قرار دیا جاسکتا ہے۔ علی وردی خاں اس کے بعد زیادہ دنوں زندہ نہیں رہے، ورنہ آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

علی وردی خاں کے نواسے نواب سراج الدولہ حاکم ہوئے آزادی وطن اور انگریزوں کو ملک سے باہر کرنے کے سلسلہ میں ان کا رویّہ نانا جیسا تھا۔ سراج الدولہ نے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ انگریزوں کو شکست دینی چاہی، مگر ان کا دربار سازشوں کا اڈہ بن گیا تھا اور سلطنت کی ذمہ دار شخصیتیں اپنی قیمت لگوا چکی تھیں۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

اس لئے انہیں شکست ہوئی، اور ۱۷۵۷ء میں برٹش فوج نے ان کے دارالسلطنت مرشدآباد میں انہیں شہید کردیا۔

تاریخ کے صفحات میں بکسر کی جنگ (۱۷۶۴ء) کی تفصیل موجود ہے، جس میں مغل فرماں روا شاہ عالم، نواب اودھ شجاع الدولہ اور میر قاسم کی فوج مشترکہ طور پر شریک تھے۔ یہ جنگ بھی ہندوستانیوں کی شکست پر ختم ہوئی۔ میر قاسم نے مونگیر (بہار) کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا، میر قاسم کا قلعہ آج بھی موجود ہے، انگریزوں نے مونگیر میں ان سے ۱۷۶۳ء میں ٹکر لی، ڈکرانالہ پُل توڑا گیا، اس کی شکستہ دیواریں اور بکھری اینٹیں آج بھی اس تاریخ کو یاد دلاتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ دس بارہ برسوں سے ان کے نام پر آباد محلّہ قاسم بازار کو کرن بازار اور مغلوں کی فوج کی چھاؤنی مغل بازار کو منگل بازار کہنا شروع کیا گیا ہے!

حافظ رحمت خاں شہید نواب تھے عالم اور حافظ تھے، انہوں نے علماء اور علاقائی حکمرانوں کو یکجا کرکے انگریزوں سے جنگ کرنا چاہی۔ حافظ صاحب کا سلسلہ علم حضرت شاہ ولی اللہ سے جُڑا ہوا ہے، حافظ رحمت خاں شہید کی سربراہی میں انگریزوں سے جو جنگ ہونی تھی اس کا رُخ انگریزوں نے نواب اودھ کی طرف پھیر دیا، اور نواب اودھ کی فوج کے ساتھ انگریزی فوج نے حافظ صاحب سے جنگ کی، یہ فیصلہ کن جنگ ۱۷۷۴ء میں ہوئی جس میں حافظ صاحب اور ان کے رفقاء (جن میں ممتاز علماء شریک تھے) کی بڑی تعداد شہید ہوگئی، اسی سلسلہ کی ایک کڑی قاضی واجد رحمۃ اللہ علیہ کا بے نفس اور مجاہدانہ کردار بھی ہے، جس کی یاد دلوں میں تازہ اور تاریخ کی نئی کتابوں میں محفوظ رہنی چاہئے۔

۱۸۵۷ء سے بہت پہلے دکن کے فرماں روا حیدر علی (۱۷۸۲ء) اور ان کے صاحبزادے ٹیپو سلطان کے ذکر کے بغیر آزادی ہند کی کوئی تاریخ ادھوری ہوگی، جو مستقل انگریزوں کے لئے چیلنج بنے رہے۔ ٹیپو سلطان نے ہندوستان کے علاقائی فرمان رواؤں کو انگریزی حکومت کے خلاف منظّم کرنا چاہا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ہندوستان کے باہر بھی رابطہ قائم کیا۔ نظام حیدرآباد اور نواب بنگالہ کو بھی خطوط لکھے اور اپنے نمائندوں کے ذریعہ آنے والے دنوں کے خطرات اور انگریزوں کے ارادہ سے واقف کرایا، ساتھ ہی انہوں نے مشترکہ جدوجہد کی اپیل کی، مگر نوابوں کی وقتی مصلحتوں اور سرفروشی کے جذبہ کی کمی کی وجہ سے مشترکہ جدوجہد آزادی کی راہ نہیں بن سکی۔

ٹیپو سلطان نے ہمت نہیں ہاری اور وہ برٹش فوج سے پنجہ آزمائی کے لئے تیاری کرتے رہے۔ مگر ان کے ایک فوجی سردار کرشنا راؤ کی خودفروشی نے ٹیپو سلطان کو نقصان پہنچایا، اور سازشی ان کے امور سلطنت میں درآئے، ان کی فوج میں ہندو مسلمان شریک تھے، ٹیپو سلطان نے نامساعد حالات کو سمجھتے ہوئے ہی یہ کہا تھا کہ ''شیر کی ایک دن کی زندگی لومڑی کے سو سال سے بہتر ہے''۔ انہوں نے انگریزوں سے جنگ کی اور ۱۷۹۹ء میں میدان جنگ میں شہید ہوئے، جب انگریزی جنرل کو ان کی شہادت کا یقین ہوگیا تو جنرل بارس نے فخر کے ساتھ کہا تھا ''اب ہندوستان ہمارا ہے''۔

ٹیپو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے بعد اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے اور بھی چھوٹی بڑی جھڑپیں انگریزوں سے ہوئیں، مگر انگریزوں کی کامیاب حکمت عملی اسلحہ کی برتری اور نظم و ضبط نے مقابلہ کرنے والے منتشر ہندوستانی حکمرانوں پر قابو پالیا پھر بھی اس اٹھاون سال (۱۷۹۹ء سے ۱۸۵۷ء) میں چار کوششیں ایسی ہوئیں جنہیں بھلایا نہیں جاسکتا اور جس نے ۱۸۵۷ء کی تیاری میں مہمیز کا کام کیا۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ملک کے نامور عالم دین اور مجاہد وقت تھے، ملک اور بیرون ملک ان کے لاکھوں مرید پھیلے ہوئے تھے، ان کا سلسلہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ملتا ہے، حضرت سید احمد شہید نے ملک کو آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا، اور اپنے شاگردوں اور مریدوں اور دوسرے ذمہ داروں سے

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

رابطہ قائم کیا، انہوں نے خاموشی سے افراد سازی کے ساتھ ہتھیار جمع کرنے کا کام کیا، اس سلسلہ میں انہوں نے مونگیر، بہار (جو اُس وقت بھی قانونی اور غیر قانونی اسلحہ سازی کا مرکز تھا، اور آج بھی اس کی یہ خصوصیت زندہ ہے) اور بنگالہ کا سفر کیا، اس پورے سفر میں لوگوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا اس سفر کے نتیجہ میں آزادی کی جدوجہد کو عوامی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی، اور اسلحوں کو حاصل کرنے کی راہ ہموار ہوئی۔ حضرت سید احمد شہید اور ان کے دست راست حضرت شاہ اسمٰعیل شہید نے انگریزوں سے مئی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں جنگ کی، یہ جنگ بھی مقامی حالات کی وجہ سے ہار پر ختم ہوئی، اس معرکہ میں یہ دونوں حضرات اور ان کے بہت سے رفقاء شہید ہوئے۔

۱۸۴۵ء میں انگریزوں کی جنگ سکھوں سے ہوئی، یہ جنگ پورے ہندوستان کو آزاد کرانے کے ذہن کے ساتھ نہیں ہوئی تھی بلکہ سکھوں کے علاقہ کو خود مختاری دلانے کے جذبہ سے لڑی گئی تھی، انگریزوں نے سکھوں سے مصالحت کی اور نتیجہ کے طور پر پنجاب میں سکھوں کی عمل داری قائم ہوگئی۔ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشین کے طور پر مہاراجہ دلیپ سنگھ کو انگریزوں نے جانشین مان لیا، اس طرح ۱۸۴۵ء کی جنگ اٹوال کا مقصد پورا ہوا، اور سکھوں کو کامیابی ملی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل ایک اور اہم جنگ ہوئی، یہ جنگ شیر دل خاتون بیگم حضرت محل کی سربراہی میں لڑی گئی، اس جنگ میں ضلع شاہ آباد (بہار) کے راجہ کنور سنگھ کا کردار نا قابل فراموش ہے، اس جنگ میں ہندوستانی ہندو و مسلمان سپاہیوں کے ساتھ نیپالی (گورکھا) سپاہی اور عملدار شریک تھے، یہ گورکھے انگریزوں سے مل گئے انگریزوں نے اُن سے نیپال میں محدود عملداری کا وعدہ کیا، اور نیپالیوں نے بیگم حضرت محل کا ساتھ چھوڑ دیا، جس کے نتیجہ میں ۱۸۵۶ء کی جنگ اودھ ہندوستانیوں کی شکست پر ختم ہوگئی۔ بیگم حضرت محل نے نہ صرف اپنا اسٹیٹ کھو دیا بلکہ اپنی زندگی دربدری میں گذار دی اور تاج برطانیہ کے معافی کے اعلان کے باوجود انگریزوں سے مصالحت نہیں کی۔

۱۸۵۷ء سے پہلے ۱۸۵۶ء میں ویر کنور سنگھ اور ان کے بھائی امر سنگھ نے جگدیش پور (ضلع شاہ آباد۔ بہار) میں انگریزوں سے زبردست جنگ کی، اس جنگ میں اگرچہ ویر کنور سنگھ کو ہار ہوئی ان کا اسٹیٹ تباہ کر دیا گیا، مگر اس جنگ کے اثرات اتر ہندوستان پر گہرے پڑے۔ جنگ آزادی میں ویر کنور سنگھ اور ان کے خاندان کا کردار نا قابل فراموش ہے۔

ایسے چھوٹے بڑے بہت سے چراغ آزادی ہند کی راہ میں ۱۸۵۷ء سے پہلے روشن ہوئے، ان سارے حالات و واقعات کو مختصر مضمون میں سمیٹا نہیں جا سکتا، مگر یہ واقعہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پہلی جنگ آزادی نہیں تھی، بلکہ یہ آخری منظّم مسلح جدوجہد تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے متعلق یہ بات بھی جانی جاتی ہے کہ یہ میرٹھ سے شروع ہوئی تھی، انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے میرٹھ میں جو کاروائی کی، اس کی ابتدا کلکتہ (دمدم اور بارک پور) سے ہوئی تھی، برٹش آرمی کے ہندو مسلمان سپاہیوں میں یہ بات عام ہوئی کہ کارتوس میں گائے کا چمڑا اور سور کی چربی کا استعمال ہوتا ہے۔ ۲۲/ جنوری ۱۸۵۷ء کو پہلے پہل اس خبر سے ہندوستانی فوجی کلکتہ میں بھڑک اٹھے اور انہوں نے زبردست احتجاج کیا، کچھ ایسی ہی صورت حال لکھنؤ میں پیش آئی، ان تمام سپاہیوں کو غیر مسلح کر کے ملازمت سے برخاست کر دیا گیا ان میں سے کچھ سپاہی انگریز فوج کی چھاؤنیوں میں پہنچے اور حالات سنائے، جن کی وجہ سے مختلف مقامات پر برٹش آرمی کے خلاف انگریزوں کی ہندوستانی فوج برافروختہ ہوگئی۔

۲۴/ اپریل ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں کلکتہ جیسا واقعہ دہرایا گیا، انگریز ذمہ داروں نے ۹/ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں ایک رجمنٹ کے ہندوستانی سپاہیوں کو دس سال کی قید بامشقت کی سزا سنا دی، اس فیصلے کا اعلان بھی توہین آمیز طریقہ پر ہوا تھا، ہندوستانی

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

بین المذاہب شادی کا فتنہ

جناب مولانا محمد فہیم الدین بجنوری استاد دارالعلوم دیوبند

سپاہیوں نے انگریز افسروں کو ہلاک کر کے ان قیدیوں کو آزاد کرایا، اور میرٹھ سے دہلی کی طرف کوچ کر گئے، یہ ۱۰/ مئی ۱۸۵۷ء کا واقعہ ہے، میرٹھ کے ہندوستانی فوجیوں کی آمد نے دہلی کے فوجیوں میں نئے حوصلے دیئے، اور دہلی میں بہادر شاہ ظفر کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا گیا، انگریزوں نے سکھ رجمنٹ کی مدد سے تقریباً چار ماہ تک دہلی کا محاصرہ کئے رکھا، ۱۴/ ستمبر کو زبردست جنگ ہوئی، ۱۴/ ۱۵/ ستمبر ۱۸۵۷ء کی تاریخ ہندوستان کی مسلح جدوجہد آزادی کا خونی باب ہے، آزادی ہند کے معروف مؤرخ ولیم ڈیلرمپل نے لکھا ہے:

''جب دہلی کا محاصرہ ختم ہوا تو بہت سے مبصروں کے مطابق باقی بچنے والے باغیوں میں آدھے ''جہادی'' تھے، جنہوں نے ۱۴/ستمبر کو برطانوی حملہ کے خلاف زبردست مزاحمت کی تھی۔''

ٹھیک انہیں تاریخوں میں حضرت ضامن شہید، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا منیر الدین اور ان کے رفقاء نے شاملی کے میدان میں انگریزی فوج سے جنگ کی، ۱۴/ستمبر ۱۸۵۷ء کو حضرت ضامن شہید اور ان کے بہت سے رفقاء شہید ہوگئے، اس جنگ میں ہندوستانیوں کو ہار ہوئی، دہلی کے تاریخی معرکہ اور شاملی کی جنگ کی تاریخ ایک ہی ہے، اسے اتفاق نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ ایک مشترکہ جدوجہد کی دو کڑیاں ہیں، دہلی معرکہ میں انگریز جنرل نکلسن مارا گیا مگر آخر کار دہلی اور شاملی دونوں جگہ ہندوستانیوں کو شکست ہوئی اور بہادر شاہ ظفر ۱۷/ اکتوبر کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیئے گئے۔

یہ پوری تاریخ بتاتی ہے کہ

(۱) میرٹھ میں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی پہلی مسلح جدوجہد نہیں تھی، پہلی مسلح جدوجہد کلکتہ میں ۱۷۵۷ء میں ہوئی۔

(۲) ۱۸۵۷ء کا انقلابی اقدام میرٹھ سے نہیں کلکتہ سے شروع ہوا تھا۔

ہماری جدید تعلیم یافتہ بہنوں میں، مذہب کے تئیں، موجودہ بغاوت، تاخیر سے پیدا ہوئی ہے، اس سیلاب کی مزاحمت میں، ہمارے پاس اپنا کوئی بند نہیں تھا، ملت اسلامیہء ہند، اس کے لیے، ہندوستان کے خاندانی نظام اور اس کی قدیم روایات کی احسان مند رہی ہے، یہاں کے مضبوط عائلی مراسم نے، اس بات کو یقینی بنایا کہ نکاح کے لیے، مذہب کی قید، ہر دو جانب، سرخ لکیر سمجھی جائے۔

نئی روشنی میں، مذکورہ ریت ورواج فرسودہ قرار پاتے ہیں، اس کے علم برداروں نے، اعتبار کے جو چند پیمانے وضع کیے ہیں، بین المذاہب شادی ان میں سرفہرست ہے، مغرب میں بسنے والے مسلم والدین کا یہ نوحہ، ہم دہائیوں سے سن رہے تھے؛ لیکن معاشرتی تانے بانے ہمیں مطمئن کرتے رہے، نوبت بہ ایں جا رسید کہ مغرب کا اُلّو اب ہمارے سر پر آبیٹھا ہے۔

کیا مسلم لڑکیوں کی مذکورہ شادیوں کا ماتم کرنے والے، یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ فرار، یا ازدواج سے قبل، وہ حاملِ ایمان تھیں؟

یا ہم موروثی سند وشناخت اور حقیقی ایمان واسلام کے مابین فرق میں مغالطے کا شکار ہیں؟

کیا ہم اس دور میں نہیں ہیں، جب احادیث صحیحہ کے مطابق، اسلامی ناموں سے منسوب، ایک خلق کثیر کے لیے، یہ انتساب برائے نام رہ جائے گا، کیا ''دابۃ الارض'' مؤمن اور کافر دونوں کی دریافت، مسلم گھرانوں سے نہیں کرے گا؟ وغیرہ وغیرہ سورۂ نور میں پردے سے متعلق جو دراز آیت ہے، اس میں

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

وارد ''أو نسائهن '' سے، یہ پیغام دیا گیا ہے کہ مسلم خواتین، غیر مسلم عورتوں سے بھی نزدیکی بنانے میں محتاط رہیں؛ گو کہ خواتین کا باہم پردہ نہیں؛ لیکن یہاں ضمیر، مؤمنات کی طرف لوٹا کر، بہت بڑا نکتہ پیدا کیا گیا ہے۔

صد حیف کہ جس تربیت کی نزاکت، غیر مسلم خواتین کے اختلاط کی متحمل نہ تھی، اس کو دوطرفہ اختلاط سے پھوٹنے والے، آزاد سیلاب کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہے!

مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ نے، صنف نازک کو آب گینہ کہا ہے: (رفقًا بالقواریر: بخاری) یہ جسمانی خط وخال کے علاوہ، نزاکتِ طبع کا بھی خوب صورت استعارہ ہے۔

ایک زمانہ تھا، جب یہ پیغام حرزِ جاں ہوا کرتا تھا؛ چناں چہ ایسا بھی ہوا کہ حجلہ عروسی اٹھنے پر، پڑوسی نے جانا کہ ہم سایے میں جواں سال بیٹی بہن زیر پرورش تھی، اب یہ آبگینے، لٹیروں اور ڈاکوؤں کو دعوت قزاقی دیتے پھرتے ہیں۔

تعلیم گاہوں کی دوستیاں ہی گل کھلانے کے لیے کافی تھیں، ملازمت اور کیریئر کے خبط نے، باقی ماندہ کسر پوری کردی، غیروں کے ساتھ شادی رچانے والی، نام نہاد مسلم لڑکیوں کا ڈاٹا، بتا رہا ہے کہ ان میں سے بیشتر برسر ملازمت ہیں۔

میں اپنے دوستوں کے اس موقف پر غور کرنے کے لیے تیار ہوں کہ اس ضمن میں آر ایس ایس مہم چلا رہی ہے۔

لیکن ایک حد تک؛ کیوں کہ اس تنظیم کے سامنے ہماری تباہی کے دوسرے خاکے ہیں؛ جن کی ضرب زیادہ کارگر ہے۔

چند سو یا چند ہزار لڑکیوں کا دین ومذہب، ان کے دیو ہیکل وسائل کی ترجیح ہرگز نہیں ہوسکتی۔

یہاں اعدا کا گلا بے محل ہے اور یہ گمراہ کن توجیہ، والدین اور ان کے فرائض سرپرستی کے محاسبے کو، بہانہ فراہم کررہی ہے۔

بے شک پانی سر کے اوپر بہہ رہا ہے؛ لیکن ہمارے گھرانوں اور معاشروں کی دین بیزاری کا سفر، منزل ارتداد تک پہنچنے سے قبل، ہماری کوتاہیوں سے گذرا ہے، یہ مسئلہ ہے؛ مگر اس کے محاسبہ کا آغاز طبقہ علما کے کردار سے ہونا چاہیے:

تو ادھر ادھر کی نہ بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے گلا نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

صحیح احادیث میں زنانہ اولاد کو پالنے پر جنت کی بشارت و ضمانت وارد ہوئی ہے؛ لیکن وہ تعلیم وتربیت سے مشروط ہے؛ مذکورہ بشارت، بہ صراحت، نرینہ اولاد کی نسبت نہیں ہے۔

یہ اشارہ ہے کہ صنف نازک کی تعلیم وتربیت آسان نہیں، اس ضمن میں باپ، وقت وتوانائی صرف کرنے پر مجبور ہوگا؛ لہٰذا اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا گیا؛ جب کہ لڑکوں کا معاملہ ایسا نہیں، ان کو موزوں جگہ بٹھا کر ایک گونہ آزادی ممکن ہے۔

کورونا دور نے، فاصلاتی تعلیم کا نیا تصور پیدا کیا ہے، جو صنف نازک کی تعلیم کے لیے نسبتًا محفوظ ہوسکتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی تعلیم کا ایسا صور پھونکا جائے، جس کی گھن گرج، ہر مسلم گھرانہ پر دستک دے اور اس تعلیمی وتربیتی تحریک کی نگرانی، ثقہ ومعتبر علما کریں۔

یہ نظام، اقامتی اور غیر اقامتی بحث سے تو منزہ ہوگا ہی، بچیوں کو چہار دیواری کی برکتوں، رحمتوں اور راحتوں سے بہرہ مند بھی کرے گا۔

نسل نو کے ایمان کی فکر، ہر دور کے اہل دل کا سوز دروں رہا ہے؛ لیکن موجودہ صورت حال، مزید تغافل وکوتاہی کی متحمل نہیں، درآمد شدہ افکار تازہ کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، حشر ونشر کے تصورات سے، قلوب مطمئن نہیں ہیں۔

یقیناً زبانیں ماحول کے تقاضے نبھا رہی ہیں؛ مگر تا بہ کجا؛ اندرون کی طغیانی، ایک بہانے کی احسان مند ہوتی ہے، غیر مسلم لڑکوں کے دامِ زواج کی کامیابی بھی، اسی صورت حال کا ایک خاص مظہر ہے۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

طلاق دینا

کتنا آسان؟ کتنا مشکل؟

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

وہ شخص کتنا بڑا بے وقوف ہوگا جو آزاد ہو اور کھلی فضا میں سانس لے رہا ہو، لیکن وہ اپنی مرضی سے اپنے ہاتھوں کو جکڑ لے، اپنے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں ڈال لے اور اپنے لئے قیدِ تنہائی پسند کرلے؟!

وہ شخص کتنا بڑا بے وقوف ہوگا جس کے چلنے کے لیے ہموار راستہ ہو، لیکن وہ اسے چھوڑ کر اُوبڑ کھابڑ اور جھاڑ جھنکاڑ والے راستے پر چلے، جس سے اس کے پیر زخمی اور خون آلود ہو جائیں؟!

وہ شخص کتنا بڑا بے وقوف ہوگا جس پر ہلکا بار ڈالا گیا ہو، لیکن وہ اپنی مرضی سے اپنے اوپر بھاری بوجھ لاد لے، جس سے اس کی کمر دُہری ہو جائے اور اسے چلنے میں دشواری ہو ؟!

ٹھیک یہی رویّہ ہم مسلمانوں نے طلاق کے معاملے میں اختیار کر رکھا ہے: اسلام کا نظامِ طلاق ان کے لیے رحمت تھا، لیکن انھوں نے اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اسے زحمت بنالیا ہے۔

نکاح ایک پاکیزہ اور دینی قدروں کا حامل سماجی معاہدہ (Social Contract) ہے اور طلاق اس معاہدہ کو ختم کرنے کا طریقہ۔ طلاق عام حالات میں ناپسندیدہ، لیکن ایک ضرورت ہے، اسی وجہ سے جن مذاہب میں طلاق کا آپشن نہیں تھا وہ بھی اس کے بارے میں قانون سازی کرنے پر مجبور ہوئے ہیں

اسلام نکاح سے قبل لڑکی اور لڑکے دونوں کے سرپرستوں کو حق دیتا ہے کہ دوسرے فریق کے بارے میں خوب تحقیق کرلیں۔ نکاح کے بعد وہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اگر ان کے درمیان عدمِ موافقت کے آثار ظاہر ہوں تو وہ کہتا ہے کہ پہلے زوجین خود ہی اپنے اختلافات دور کرنے کی کوشش کریں، نہ کام یاب ہو پائیں تو دونوں کے خاندان والے مل جل کر مسئلے کو حل کرنے کی تدابیر اختیار کریں۔ وہ بھی کام یاب نہ ہو پائیں اور واضح ہو جائے کہ شدید اختلافات کی وجہ سے ان کا خوش گوار ازدواجی زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے تو اسلام انہیں حق دیتا ہے کہ وہ علاحدگی اختیار کرلیں اور الگ ہو کر چاہیں تو نئی ازدواجی زندگی کی شروعات کریں۔

علاحدگی کے لیے اسلامی شریعت کا بتایا ہوا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ شوہر طلاق دے دے، بس ایک طلاق۔ اسے طلاق احسن کہتے ہیں۔ اس میں بھی یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ طلاق اس وقت دی جائے جب عورت پاکی کی حالت میں ہو اور شوہر نے اس حالت میں اس سے مباشرت نہ کی ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورت عدّت (3 ماہ واری یا 3 ماہ) شوہر کے گھر میں ہی رہتے ہوئے گزارے۔ اس دوران میں وہ زیب وزینت اختیار کرسکتی ہے۔ اس طریقے کو اختیار کرنے کے بہت سے فائدے اور حکمتیں ہیں:

اس مدّت میں بیوی اور شوہر دونوں کو اپنے رویوں پر غور کرنے کا موقع ملے گا۔

عورت کے زیب وزینت اختیار کرنے سے شوہر کا اس کی جانب میلان ہوگا۔

عورت کے پاکی کی حالت میں ہونے کی وجہ سے شوہر اس سے مباشرت کرسکتا ہے۔

شوہر عورت کی پاکی کی اس حالت میں طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی ہو، یہ شرط اس لیے لگائی گئی کہ اس صورت میں اس کا بیوی کی طرف زیادہ میلان ہوگا۔

مباشرت رجوع کا عملی اظہار ہے۔ شوہر زبان سے ایک لفظ

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

نہ کہے، بس مباشرت کرلے، رجوع ہوگیا۔

شوہر رجوع کا زبانی اظہار بھی کرسکتا ہے۔

عدّت کے دوران میں عورت، شوہر کی طرف سے نان ونفقہ کی مستحق ہوگی۔

شوہر نے رجوع کرلیا تو دونوں پھر میاں بیوی کی طرح ساتھ میں رہنے لگیں گے۔ کچھ عرصہ بعد پھر دونوں کے درمیان اختلافات سر ابھارنے لگیں، یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آجائے تو اس کے لیے پھر وہی طریقہ اختیار کیا جائے گا جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا۔

اسلامی شریعت نے شوہر کو یہ موقع دو بار دیا ہے۔ اگر اس نے تیسری مرتبہ طلاق دی تو عورت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوجائے گا۔(البقرۃ:229)

عورت کی عدّت پوری ہوگئی اور شوہر نے رجوع نہیں کیا تو دونوں آزاد ہوجائیں گے، ان کا ازدواجی رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔ اب مرد اپنا دوسرا نکاح کرسکتا ہے اور عورت کا ولی بھی اس کا نکاح کہیں اور کرسکتا ہے۔

طلاق کے بعد دونوں کا دوسرا نکاح نہیں ہوسکا، وہ تنہا زندگی گزارتے رہے۔ کچھ عرصے کے بعد انھوں نے خود سوچا یا ان کے اہل خاندان نے ترغیب دلائی اور مشورہ دیا کہ انہیں اپنے اختلافات بھلا کر دوبارہ میاں بیوی بن کر رہنا چاہیے تو اس کی گنجائش ہے۔ ان کا دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا منشا یہ ہے کہ طلاق کا جو حق شوہر کو دیا گیا ہے اسے وہ الگ الگ مواقع پر استعمال کرے۔ ایک وقت میں صرف ایک ہی طلاق دے۔

یہ بات قرینِ عقل بھی ہے۔ آدمی کسی چیز کو اتنا ہی استعمال کرتا ہے جتنے سے اس کی ضرورت پوری ہوجائے۔ اگر اس کی بھوک ایک دو روٹی سے ختم ہوجائے تو وہ دس بیس روٹیاں نہیں کھاتا۔ اگر اس کی پیاس ایک دو گلاس پانی سے بجھ جائے تو وہ پورا جگ منھ میں نہیں انڈیل لیتا۔ اسی طرح اگر محض ایک طلاق سے عورت سے ہمیشہ کے لیے علاحدگی ہوسکتی ہے، تو بلاضرورت تین طلاق کیوں دی جائے؟!

ایسا لگتا ہے کہ ہمارے سماج میں اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی بنا پر عوام کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ازدواجی رشتہ ختم کرنے کے لیے 3 بار طلاق دینا ضروری ہے۔ طلاق کے پیپر کسی وکیل سے بنوائے جاتے ہیں تو اگر اس سے کچھ نہ کہا جائے تو بھی وہ 3 طلاق دینے کی بات لکھ دیتا ہے۔ 3 طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے والے نے اپنے پیروں پر اپنے ہاتھ سے کلہاڑی مار لی ہے اور شریعت کی دی ہوئی آسانیوں سے خود کو محروم کرلیا ہے۔

میرے پاس بہت سے نوجوان منھ بسورے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیوی سے میرا جھگڑا ہوگیا تھا۔ میں نے غصے میں 3 طلاق دے دی۔ اب پچھتاوا ہے۔ بیوی بھی ساتھ میں رہنا چاہتی ہے۔ کوئی صورت بتائیے۔ میں ان سے دریافت کرتا ہوں: غصے کے اظہار کے بہت سے طریقے ہوسکتے تھے: بیوی کو ڈانٹتے، دھمکاتے، اسے بُرا بھلا کہتے، اسے گھر سے نکال دیتے، اسے ایک دو تھپّڑ مار دیتے، اس کی پٹائی کرتے، طلاق دینا تھا تو ایک یا دو طلاق دیتے۔ آخر آپ نے ایک سانس میں 3 طلاق دینا ہی کیوں ضروری سمجھا؟ میرے اس سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا ہے۔

دانش مندی اسی میں ہے کہ اسلام نے طلاق کا جو انتہائی آسان طریقہ بتایا ہے اسے اختیار کیا جائے۔ اس میں وقتِ ضرورت دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے۔ ویسے بھی حکومتِ ہند نے دو برس قبل ایک سانس میں 3 طلاق دینے کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا ہے، اور اس کی سزا 3 برس قید مقرّر کی ہے۔

اب جن لوگوں کو اللہ کا خوف نہیں ہے وہ کم از کم حکومت کی سزا سے بچنے کیلئے ہی بیک وقت 3 طلاق دینے سے گریز کریں گے۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

مسلمانوں کی پانچ بیماریاں

مولانا سید احمد ومیض ندوی

ہمارے پڑوسی ملک کے ایک مصروف کالم نگار اپنے ملک میں موجود ایک یوروپی ملک کے سفیر سے گہرے مراسم رکھتے تھے یوروپی ملک کا ان کا یہ سفیر دوست عام سفیروں کی طرح نہ تھا بلکہ سفیر کے ساتھ وہ ایک دانشور اور تجزیہ نگار بھی تھا۔ قوموں کے عروج وزوال کا مطالعہ اس کا محبوب مشغلہ تھا، بقول ان کالم نگار کے ان کا سفیر دوست جب گفتگو کرتا اور دلائل دیتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ غبار چھٹ رہا ہے اور حقیقتیں ایک ایک کر کے سامنے آرہی ہیں۔ ماضی کے تجزیوں کی بنیاد پر وہ مستقبل کی ایسی پیشین گوئی کرتا کہ آنے والا زمانہ نظروں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔ مذکورہ معروف کالم نگار نے اپنے یوروپی سفیر دوست کے ساتھ ہوئی آخری ملاقات کی تفصیلات اپنے ملک کے ایک روزنامے میں شائع کی ہے چونکہ اس گفتگو میں اور مسلمانوں کے تعلق سے اس یوروپی سفیر کے تاثرات میں ہم سب مسلمانوں کے لئے غور وفکر کے ان گنت گوشے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہی کے الفاظ میں اس گفتگو کو من وعن نقل کردیا جائے۔ کالم نگار موصوف تحریر کرتے ہیں:

''جس دن مجھے اطلاع ملی کہ طویل قیام کے بعد وہ یہاں سے واپس جارہا ہے اور انہیں فرائض منصبی کو اب کسی اور ملک میں سرانجام دے گا تو میں نے اس سے درخواست کی کہ روانگی سے پہلے میرے ہاں آئے اور کچھ وقت گزارے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ہمارے ملک میں تم نے اتنے سال گزارے، مشاہدہ کیا، طول وعرض میں گھومے پھرے، شہر، قصبے اور قریے دیکھے عوام اور خواص سے ملاقاتیں کیں، سیاست داں، نوکر شاہی فوج سب کو قریب سے دیکھا، تم کس نتیجے پر پہنچے اور ہمارا مستقبل تمہیں کہاں اور کیسا نظر آرہا ہے؟ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ میرے سوال کا جواب دینا پسند نہیں کرے گا۔ تاہم کچھ دیر کے بعد اس نے میری طرف مسکرا کر دیکھا ''میں یہاں آنے سے پہلے بہت سے ملکوں میں رہا، مسلمان ملکوں میں بھی مغربی ملکوں میں بھی اور مشرق بعید کے ملکوں میں بھی، میری سوچی سمجھی رائے تمہارے ملک کے بارے میں یہ ہے کہ یہاں بے پناہ ٹیلنٹ ہے، ترقی کے لامحدود امکانات ہیں لیکن تمہارے قومی جسم کو چند بیماریاں لاحق ہیں اور یہ بیماریاں ٹیلنٹ کو کچھ نہیں کرنے دیتیں۔

پہلی بیماری تم لوگوں کی انتہائی درجہ کی جذباتیت ہے جو تمہیں سوچنے سمجھنے سے تجزیہ کرنے سے اور دعویٰ کا ثبوت دیکھنے سے روکتی ہے، اس کی وجہ تعلیم کا نہ ہونا ہے یا ایک تاریخی روایت کا تسلسل ہے، مجھے نہیں معلوم۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عوام جذبات کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں، میں یہ سن کر حیران ہوتا ہوں کہ تحریک پاکستان میں عوام تمہارے محبوب قائد کی تقریر انگریزی میں سنتے تھے اور بغیر سمجھے لبیک کہتے تھے، یہ بات فخر سے بیان کرتے وقت تم لوگوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ یہی وہ عوام ہیں جو بغیر سوچے سمجھے ہر بھٹو ہر جمشید دستی ہر پیر سپاہی ہر نجومی اور ہر تعویذ فروش کو کامیاب کراتے ہیں اس جذباتیت کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ تم لوگ کسی ثبوت کسی شہادت کے بغیر اپنی رائے کی درستی پر اصرار کرتے ہو اور مرنے مارنے پر تل جاتے ہو، کچھ لوگ آنکھیں بند کر کے طالبان کو الزام دیتے ہیں اور کچھ امریکہ کو اور ثبوت دونوں کے پاس نہیں ہیں اور یہ صرف ایک مثال ہے۔

تم لوگوں کو لاحق دوسری خطرناک بیماری یہ ہے کہ تم قانون کو فیصلہ کرنے نہیں دیتے اور خود فیصلہ کرتے ہو، یوں ہر شخص کا فیصلہ مختلف ہوتا ہے، جب بھی ٹریفک حادثہ ہوتا ہے اور ایک منٹ سے کم عرصہ میں لوگ وہاں جمع ہوجاتے ہیں تو مدعی اور مدعی علیہ

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

دونوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ چھوڑیں، کوئی بات نہیں، کوئی ایک شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ آپ کے درمیان پولیس فیصلہ کرے گی آپ اس حد تک قانون سے بھاگتے ہیں کہ اپنے اسلامی قوانین کے مقابلہ میں ذاتی رائے کو ترجیح دیتے ہیں آپ کا پسندیدہ رہنما کرپشن کرے تو آپ کی رائے یہ ہوتی ہے کہ سارے کرپشن کرتے ہیں، آپ کا پسندیدہ رہنما کسی کو قتل کردے یا کرادے تو لاکھوں لوگوں کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ آخر بادشاہ قتل کراتے ہی رہتے ہیں، یہاں تک کہ ناجائز زمین پر مسجد بنائی جائے تو اسلامی قانون کو پس پشت ڈال کر صرف یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کا گھر ہے، جہاں بھی بن جائے، اگر اس رویہ کے بجائے تم لوگوں کا رویہ یہ ہوجائے کہ ہر مقابلہ میں قانون کا فیصلہ دیکھا جائے اور اپنی رائے نہ دی جائے، تو تم لوگوں کی حالت ہی بدل جائے۔

تمہاری تیسری بیماری یہ ہے کہ تم لوگ دوسرے سے رابطہ صرف اس وقت کرتے ہو جب تمہارا اپنا کام ہوتا ہے لیکن جب تمہارے ذمے دوسرے کا کام ہو تو تم رابطہ نہیں کرتے، دنیا میں جتنی ترقی یافتہ قومیں ہیں وہ اس بے حد خطرناک بیماری سے پاک صاف ہیں جس کے ذمے جو کام ہے وہ اسے پورا کر کے متعلقہ شخص کو یا ادارے کو مطلع کرتا ہے اور اگر نہیں کرسکتا تب بھی اطلاع دیتا ہے۔ تمہارے معاشرہ میں ایک غدر برپا ہے سائل مسئول کے پیچھے، قرض خواہ مقروض کے پیچھے، آجر مزدور کے پیچھے بھاگ رہا ہے، جس جگہ پہنچنا ہے وہ وہاں پہنچتا ہے، نہ کچھ بتاتا ہے، جس نے کام کردیا وہ بھی نہیں بتاتا کہ کام ہوچکا ہے، جس نے کام نہیں کیا وہ بھی خاموش ہے یا غائب ہے۔ یہ جہالت ہے یا غیر ذمہ داری ہے، جو کچھ بھی ہے تمہارے وسائل کو ضائع کررہی ہے۔

چوتھی خطرناک بیماری یہ ہے کہ تمہاری اکثریت مذہب کو ذاتی اصلاح کے بجائے مالی فائدہ کے لئے استعمال کررہی ہے اور تم لوگوں کو اس کا احساس تک نہیں، اسلام کا اولین مقصد فرد کی اصلاح ہے لیکن اسلام کے جو اصول فرد کی اصلاح کے لئے تیر بہدف ہیں انہیں آج ترقی یافتہ ملکوں کے لوگ استعمال کررہے ہیں اور مسلمان انہیں رات دن پیروں تلے روندرہے ہیں۔ صرف ایک مثال دیکھ لو کہ وعدہ خلافی تمہارے معاشرہ میں اس قدر عام ہے کہ شاید ہی کوئی شخص اسے برا سمجھتا ہے۔ جھوٹ کی وہ کثرت ہے کہ گھر، بازار، دفتر، سیاست، تجارت، مسجد ہر جگہ جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ دوسری انتہا یہ ہے کہ تاجر اپنی اشیاء بیچنے کے لئے لوگوں کے مذہبی جذبات کا بے تحاشا استحصال کررہے ہیں۔ شہد بیچتے وقت اسے اسلامی شہد کا نام دیا جاتا ہے، میں نے کسی ملک میں عیسائی، ہندو یا یہودی شہد نہیں دیکھا۔ دکانوں کا نام مدینہ، مکہ اسلامی اور حرمین رکھا جاتا ہے تاکہ جذبات سے کھیلا جائے۔ لالچ اور سنگ دلی کی انتہا یہ ہے کہ نہاری اور پان تک تم لوگ اپنے رسول کے نام پر بیچ رہے ہو اور اس توہین پر کسی کو شرم نہیں آتی ہے نہ افسوس۔ مذہبی رہنماؤں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہاری آمدنی کے ذرائع کیا ہیں اور مدرسوں میں پڑھانے والے مفلوک الحال علماء اور مدرسوں کے مالکان سے نہیں پوچھتے کہ تمہارا معیار زندگی کروڑ پتیوں جیسا کس طرح ہوگیا ہے؟

تمہاری پانچویں بیماری یہ ہے کہ افریقی ممالک کو چھوڑ کر تم شاید دنیا میں سب سے زیادہ گندے ہو، جتنے گندے تمہارے مسجدوں کے طہارت خانے ہیں، اتنے گندے میں نے کسی اور مسلمان ملک میں نہیں دیکھے۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب میں نے دیکھا کہ وضو کرنے کی جگہ ایک مسواک رکھا ہوتا ہے اور ہر شخص آکر اسے استعمال کرتا ہے۔ تم لوگوں کو دھول اور گرد سے گھبراہٹ ہوتی ہے نہ ٹھہرے ہوئے گندے پانی سے گھن آتی ہے، مکان تعمیر کرنے والا تمہاری پوری سڑک پر ریت اور سیمنٹ ڈال دیتا ہے۔ لیکن کوئی چوں بھی نہیں کرتا۔ تمہارے ٹاپ کے شہروں میں لوگ چلتی گاڑیوں سے پھلوں کے چھلکے اور سگریٹ کی خالی ڈبیاں سڑک پر پھینک دیتے ہیں اور نہ کسی کو شرم آتی ہے اور نہ کوئی اعتراض کرتا ہے۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

کاش تم لوگ پوری دنیا کی اصلاح کرنے کے بجائے کچھ وقت ان پانچ بیماریوں کی فکر بھی کرو جنھوں نے تمہارے جسم کو تعفن میں ڈال رکھا ہے''۔ (نوائے وقت۔۷رمئی ۲۰۱۲ء)

اہلِ مغرب میں پائی جانے والی بے شمار خرابیوں کے اعتراف کے باوجود مذکورہ مغربی سفارت کار نے مسلمانوں کی جن بیماریوں کا تذکرہ کیا ہے وہ سو فیصد درست ہیں۔ ہمارے اندر بے انتہاء جذباتیت ہے، ہم اکثر و بیشتر ہوش کھو کے بڑے جوش سے کام لیتے ہیں جس کے نتائج عموماً ہولناک تباہی کی شکل میں نکلتے ہیں۔ ہم میں اکثر دوسروں سے اسی حد تک رابطہ رکھتے ہیں جب تک اس سے اپنا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ ہم میں تعلیم کی بڑی کمی ہے۔ ہماری ملت کی اکثریت صفائی ستھرائی کا اہتمام نہیں کرتی ہم میں سے بہت سے لوگ مذہب کو ذاتی اصلاح کے بجائے مالی فائدہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا دین ہمیں ان ساری بیماریوں سے پاک کرتا ہے۔ ہمارے دین کی بے شمار معاشرتی اور انسانی و اخلاقی تعلیمات کو اہل یوروپ نے اپنایا ہے، یہاں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے اس ملفوظ کو دہرانا بجا معلوم ہوتا ہے جسے ان کے لائق فرزند شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی نے اپنے دورۂ ہند کے موقع پر ایک خطاب میں کہا تھا۔ حضرت فرماتے ہیں ''حق میں دبنے کی صلاحیت نہیں حق ہمیشہ سربلند رہنے کے لئے آیا ہے **الحق یعلو و لا یعلی** حق تو ہمیشہ سربلند ہوگا اور باطل غالب ہونے کے لئے نہیں بلکہ مغلوب ہونے کے لئے آیا ہے ''**ان الباطل کان زھوقا**'' ۔ باطل مٹنے اور مغلوب ہونے والی چیز ہے وہ غالب ہونے والی چیز نہیں۔ اگر کسی باطل قوم کو دیکھو کہ دنیا میں ترقی کر رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے جو اس کو اُبھار رہی ہے اور اگر کسی حق قوم کو دیکھو کہ پستی کی طرف جا رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی باطل چیز اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ باطل قومیں ترقی کرتی ہیں تو باطل کی وجہ سے نہیں بلکہ کوئی حق کی صفت اختیار کرنے کی وجہ سے باطل کو ترقی ملتی ہے۔ عرصہ دراز سے اہل مغرب کو دنیا میں ترقی مل رہی ہے اس لئے کہ ان کے اندر حق کی کچھ صفات ہیں جس کو انہوں نے اپنی زندگیوں میں اختیار کرلیا ہے''۔

اس کے بعد مولانا تقی عثمانی اہلِ مغرب میں پائی جانے والی حق کی صفات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''بیشتر مغربی ممالک میں یہ معاملہ ہے کہ ان کے یہاں جو مال بک رہا ہوگا وہ لوگ اس کی حقیقت پوری طرح واضح کردیں گے کہ اس کے اندر فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری ہے، پھر اگر کسی خریدار کی خریدنے کے بعد رائے بدل گئی ایک مہینہ تک بھی اگر واپس سامان لے جا کر دیتا ہے تو بلا تامل اس کو واپس لیا جاتا ہے۔ یہ حکم رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا تھا جس کو انہوں نے اپنی تجارت میں اختیار کرلیا اس کے برخلاف ہمارے یہاں بورڈ لگا ہوتا ہے کہ ''خریدا ہوا مال واپس نہیں لیا جائے گا''۔ یہ بات مغرب میں رہنے والا ہر ایک جانتا ہے کہ اگر کسی نے ٹیلی فون ملایا اور اس میں غلط نمبر مل گیا تو اگر وہ شخص ٹیلی فون کمپنی کو فون کرکے کہہ دے کہ مجھ سے غلط نمبر مل گیا تو ٹیلی فون کمپنی مان لیتی ہے اور اس کے بل چارجز ختم کردیئے جاتے تھے جبکہ بعد میں ہمارے لوگ وہاں پہنچے، انہوں نے کالیں کرنی شروع کردیں اور کمپنی کو فون کرکے کہہ دیا کہ یہ رانگ نمبر مل گیا، تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو سہولت میسر تھی وہ بھی ختم ہوگئی''۔ (خطبات دورۂ ہند: ص ۱۳۰، باختصار)

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان اپنی اسلامی صفات سے عاری ہوتے جا رہے ہیں اور غیر ان صفات کو اپنا رہے ہیں، جن کی وجہ سے دنیوی دستور کے مطابق انہیں کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ اس حقیقت کو صحابی رسول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی بڑے اچھے پیرایے میں بیان کیا ہے، ایک مرتبہ حضرات صحابہ آپس میں احادیث کا تذکرہ کر رہے تھے حضرت مستورد قریشی نے حضور ﷺ کی ایک حدیث سنائی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

”تقوم الساعة والروم اکثر الناس“. قیامت کے قریب رومی (عیسائی) لوگ بہت زیادہ تعداد میں ہوں گے“۔ مجلس میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ اس حدیث کو سنکر چونک گئے اور کہنے لگے ”مستورا! ذرا سوچ کر کہو کیا کہہ رہے ہو؟“۔ مستور نے کہا میں وہی کہہ رہا ہوں جسے میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر فی الواقع یہ حدیث صحیح ہے کہ قیامت کے قریب عیسائیوں کی کثرت ہوگی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں (جو ان کی ساری ترقی کی ضامن ہیں) (۱) وہ فتنہ وفساد کے وقت ہوش سے کام لیتے ہیں جوش میں نہیں آتے۔ (۲) وہ مصیبت اور حادثہ میں مبتلا ہوکر جلد ہی سنبھل جاتے ہیں۔ (۳) انہیں اگر میدان سے بھاگنا پڑے تو جلد تیاری کرکے دوبارہ حملہ آور ہوتے ہیں (مایوس ہوکر نہیں بیٹھتے)۔ (۴) مسکین، یتیم اور کمزوروں کے حق میں وہ بہت اچھے (مددگار) ثابت ہوتے ہیں اور (۵) پانچویں ایک اچھی صفت ان میں یہ ہے کہ وہ بادشاہوں کو مظالم سے روکنے والے ہیں۔ (مسلم شریعت: ۲۹۲/۲)

ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ اپنے اندر پائی جانے والی ان بیماریوں کو دور کرے جو اس کے جسم کو اندر سے کھوکھلا کر رہی ہیں۔ ورنہ وہ اسی طرح اقوام عالم کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوتی رہے گی اور اسے جرم ضعیفی کی سزا ”مرگِ مفاجات“ کی شکل میں بھگتنا پڑے گی۔ اس وقت پورے عالم میں سب سے زیادہ اگر کسی قوم کا لہو ارزاں ہے تو وہ مسلمان ہیں، برما میں کس بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کا خون بہایا گیا ہر شخص جانتا ہے۔ ہمارے ملک میں آسام کا سانحہ ابھی تازہ ہے۔ ان حالات کے باوجود اگر ہم ہوش کے ناخن نہ لیں تو پھر ہماری بے حسی ہمیں تباہ کرکے رکھ دے گی۔

غزل

جانتا ہوں سامنے ہے منزل جانانِ من
سر اٹھانے ہی نہیں دیتی ارادوں کی تھکن

کتنے یارانِ سفر آسودۂ منزل ہوئے
میں بھی اپنا راستہ طے کرچکا ہوں غالباً

چند تصویریں ہمارے آئینہ خانہ میں ہیں
کھوگئے وہ جن سے سجتی تھی ہماری انجمن

زندگی کو زندگی کہتے ہوئے ڈرتا ہوں اب
زندگی باقی ہے، لیکن کھوگیا ہے بانکپن

دھیرے دھیرے ذہن سے اترا جوانی کا خمار
دھیرے دھیرے عمر کی دہلیز پر اتری تھکن

موت کے ہاتھوں کی اک جنبش ہی کافی ہوگئی
کتنا نازک تھا ہماری زندگی کا پیرہن

قاتلانِ شہر سینہ تان کر پھرتے رہے
بے گناہوں کے لئے سجتے رہے دار و رسن

اپنی اپنی عادتوں کے دونوں ہی مقتول ہیں
میں قتیلِ گوشۂ غم، تو ہلاکِ انجمن

تجھ سے تیری خوش لباسی کی شکایت کیا کریں
خاک وخوں میں لوٹتے ہیں شہر کے گل پیرہن

خود مجھے بھی اپنی خاموشی پہ حیرت ہے جمیلؔ
مصلحت آمیز تھا کتنا سکوتِ انجمن

ڈاکٹر جمیل مانوی
سہسارن پور (یوپی)

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

"مولانا ابوالجلال ندوی۔ دیدہ وشنیدہ وخواندہ"

چڑیاکوٹی، شبلی اورفراہی کے علمی وارث کی زندگی کے چند نقوش

تحریر: مولانا عبدالمتین منیری۔ بھٹکل

جب ہمارے شعور کی کچھ آنکھیں کھلیں اوراردو پڑھنا آنے لگا تو تب جو چیزیں اس وقت ہاتھ آئیں ان میں معارف اعظم گڑھ کے پرانے پرچے بھی تھے، جو ہمارے اس دنیا میں آنے سے پہلے شائع ہوئے تھے، ان پرچوں میں مختلف مضامین پر مولانا ابوالجلال ندوی کا نام نظر آتا، یہ مضامین غالبًا اعلام القرآن پر ہوا کرتے تھے، انہیں پڑھ کر مولانا کی علمیت کا ایک رعب سا دل میں بیٹھ گیا، ۱۹۷۰ء میں جب اعلی دینی تعلیم کے لئے ہمارا الکلیۃ العربیۃ الجمالیۃ مدراس میں داخلہ ہوا، جو جمالیہ عربک کالج کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے، تو وہاں ہمارے مشفق استاد مولانا عبد الرافع نائطی باقوی مرحوم سے باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ مولانا ابوالجلال ندوی نے یہاں پر پرنسپل کی حیثیت سے کافی عرصہ گذارا ہے، تب ہمارا سینہ جذبہ فخر سے بھر گیا کہ ایک ایسے تعلیمی ادارے سے ہماری نسبت ہے جہاں آپ جیسے عبقری عالم نے اپنی عمر کے بڑے قیمتی دن گزارے ہیں۔ ہمارے استاد مولانا ابوالجلال کے علم ومطالعہ میں غرق رہنے کے حالات بتاتے تھے، انہی سے ہم نے سنا کہ جب مولانا جمالیہ سے رخصت ہوکر گئے اوران کا بستر صاف کیا گیا تو اس کے نیچے سانپ اور بچھو پائے گئے جو مدت سے اس میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے، لیکن انہوں نے آپ کو کبھی ایذا نہیں پہنچائی تھی۔ اسی زمانے میں مولانا کے ایک ملباری شاگرد اور عربی زبان کے ادیب وشاعر احمد فلکی جمالی کا قصیدہ نظر سے گذرا جس میں جمالیہ کے مفاخر میں علامہ فاروق چریاکوٹی کی روایتوں کے امین اپنے ان استاد گرامی قدر کا ذکر بڑے فخر سے کیا گیا تھا۔

لیکن پھر مولانا کے بقید حیات ہونے یا نہ ہونے کی کوئی اطلاع عرصہ تک نہیں ملی، یہاں تک کے ۱۹۸۴ء میں جسارت کے ذریعہ آپ کے اس دنیا سے دائمی سفر پر روانگی کی اطلاع ملی، اوررنج بھی ہوا کہ علامہ شبلی اورفراہی کے علوم کی امین یہ عظیم شخصیت اس دنیا سے اس خاموشی سے چلی گئی کہ ایک محدود حلقے کے علاوہ کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ علم وتحقیق کا کتنا روشن سورج ہمیشہ کے لئے موت کی تاریکی میں چھپ گیا ہے، آخر پتہ بھی کیسے چلتا اتنے عظیم عالم کی تحقیقات معیاری مجلّات کی فائلوں میں دب کر رہ گئی تھیں، ان کے نصیب میں دوبارہ کتابی شکل میں آنا نہیں لکھا تھا۔

مولانا کسی ادارے یا جماعت وتحریک سے وابستہ کہاں تھے؟ جوآپ کی پذیرائی کے اسباب ہوتے۔ اب مولانا کی رحلت پر بھی ۳۷ رسال کا عرصہ گزر گیا ہے، آپ کو جاننے والے بھی بھول بھال گئے ہیں، لیکن گزشتہ چند دنوں سے بعض تحریروں سے یہ بات معلوم ہونے لگی کہ اردو کے مایہ ادیب، کالم نگار وشاعر احمد حاطب صدیقی (ابونثر) آپ کے بھتیجے، اورفرائیڈے اسپیشل کے چیف ایڈیٹر یحییٰ بن زکریا صدیقی آپ کے بڑے نواسے ہیں۔ اور یہ دونوں اپنے بزرگوار کی زندگی کے نقوش اور آپ کے علمی ورثہ کو منظر عام پر لانے کے لئے کوشاں ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ان پس ماندگان کی کوششیں مولانا کو علمی وتحقیقی دنیا میں زندہ وجاوداں کریں گی۔ مولانا کے ان عزیزوں کی کوششوں کا پہلا قطرہ احمد حاطب صدیقی کی کتاب ﴿مولانا ابوالجلال ندوی۔ دیدہ وشنیدہ و خواندہ﴾ کی شکل میں اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی سے منظر عام

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

پرآیا ہے۔جواس وقت ہمارے سامنے ہے۔

مؤرخ ہندمولانا عبدالحی حسنی علیہ الرحمۃ نے اپنے سفرنامہ گجرات (یادایام) میں برصغیر میں مسلمانوں کی ہزارسالہ تاریخ میں گزرنے والی عظیم ترین علمی شخصیت اورمقبول ترین بزرگ مخدوم فقیہ علاء الدین علی مہایمی نائطی کے بارے میں ان الفاظ میں تاثرات بیان کئے ہیں۔

﴿شیخ علاء الدین علی ابن احمد المہائمیؒ گجرات کے لئے سرمایۂ ناز ہیں اورمیرے نزدیک ہندوستان کے ہزارسالہ دورمیں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سوائے حقائق نگاری میں ان کا کوئی نظیرنہیں،مگران کی نسبت یہ معلوم نہیں کہ وہ کس کے شاگرد تھے کس کے مرید تھے،اورمراحل زندگی انہوں نے کیوں کر طے کئے تھے، جوتصنیفات ان کی پیش نظر ہیں ان کو دیکھ کرحیرت ہوتی ہیں کہ ایسا شخص جس کو ابن عربی ثانی کہنا زیبا ہے،وہ کس مپرسی کی حالت میں ہے،کہیں اور ان کا وجود ہوا ہوتا تو ان کی سیرت پر کتنی کتابیں لکھی جاچکی ہوتیں،اورکس پُرفخر لہجہ میں مؤرخین ان کی داستانوں کودہراتے﴾۔ (یادایام ص:۵۹)

احمد حاطب کی کتاب دیکھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ مولانا ابوالجلال مرحوم پربھی ایسی ہی کوئی بات صادق آتی ہے۔

احمد حاطب کی کتاب احسان شناسی کا ایک مظہر ہے، یہ عام معنوں میں کوئی سوانح عمری نہیں ہے،لیکن اس کے مؤثر انداز نے مزید سوچنے اورتحقیق کرنے کی راہیں کھول دی ہیں ، اس نے آئندہ اس موضوع پرتحقیق کرنے والوں کا کام آسان کردیا ہے، احمد حاطب نے معلومات کے جوموتی چنے ہیں ،انہیں پروکر قیمتی ہارتیارکیا جاسکتا ہے۔اس کتاب کودیکھ کر یہ احساس ابھرتا ہے کہ مصنف کتاب علمی امانت کا ایک بھاری بوجھ گزشتہ چالیس سالوں سے اپنے کاندھوں پرلادے ہوئے تھے،اب انہوں نے امانت کا یہ بوجھ اپنے کندھوں سے ہٹا کرآنے والی نسلوں کے کاندھوں پرڈال دیا ہے،مصنف کے یہ الفاظ اس کے مصداق ہیں۔

﴿یہ عاجز اب ان گنے چنے چند باقی ماندہ افراد میں سے ایک ہے،جنہوں نے مولانا ابوالجلال ندوی کو دیکھا،ان کو سنا ان کے متعلق دوسروں سے سنا،خود انہیں پڑھا اوران سے متعلق دوسروں کا لکھا ہوا بھی پڑھ لیا،بس یہی سبب اس کتاب کے نام کا سبب بھی بن گیا: مولانا ابوالجلال ندوی: دیدہ وشنیدہ وخواندہ﴾

مصنف نے مشرقی یوپی کے مردم خیز علاقوں جونپور، چریا کوٹ،محی الدین پور،اعظم گڑھ وغیرہ میں آج سے ایک صدی قبل کے علمی منظرنامہ پرخوب روشنی ڈالی ہے،آپ نے خاندانی پس منظرکو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فرزند کی نسل سے ہیں جوہجرت مدینہ کے دوران غارثور میں حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پناہ لینے اور یہاں پرایک سانپ کے ڈسنے کے بعد حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے شفایابی کے مشہور واقعہ کے بعد پیدا ہوئے، اور یہ بعدالغاری صدیقی کہلاتے ہیں اوران کے بارے میں مشہور ہے کہ ان پرسانپ کے ڈسے کا اثرنہیں ہوتا،اس کا چشم دید واقعہ نصف صدی پیشتر مولانا عبدالرافع باقوی مرحوم نے ہمیں بتایا تھا

مصنف نے اس وقت کے دارالمصنفین کے ذکر میں بعض تلخ حقیقتوں کی نشاندہی کی ہے،جن تنگ دستیوں میں اس ادارے سے وابستہ محققین اور مصنفین نے اپنا خون جلایا ہے اس کی جانب اشارے بھی کئے ہیں،انہیں جان کر دکھ ہوتا ہے، ہمارے محدود علم کی حدتک ان حالات میں بہت زیادہ فرق اب بھی نہیں آیا ہے، دارالمصنفین کے مادی حالات اب بھی وہی ہیں جن کا تذکرہ مصنف نے کیا ہے۔

مصنف نے کتاب کو بارہ فصلوں میں تقسیم کیا ہے :

فصل اول میں اپنے تایا مولانا ابو الجلال صاحب سے وابستہ بچپن کی یادوں کودلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے۔

فصل دوم میں چریاکوٹ کی سرزمین سے اٹھنے والے والی شخصیات کا کا تذکرہ ہے، جنہوں نے جون پورکومشرق کا شیراز

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

بنادیا تھا ،ان میں مولانا عنایت رسول ،ان کے بھائی مولانا فاروق چریاکوٹی جیسے بزرگوں کا ذکر ہے،جن سے سرسید احمد خان اور علامہ شبلی نے کسب فیض کیا،اوران کے پڑھانے اور طلبہ میں علمی صلاحیت پیدا کرنے کے انداز تعلیم کا بیان ہے

فصل سوم :میں ندوۃ العلماء کا ذکر ہے جہاں آپ نے علامہ شبلی سے فیض حاصل کیا ، اور علامہ سید سلیمان ندوی کی رفاقت پائی،ندوے میں آپ کے اساتذہ میں سے شبلی فقیہ،مولانا امیر علی محدث (مصنف تفسیر مواہب الرحمٰن) شیخ خلیل عرب کے والد شیخ محمد عرب کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصل چہارم: میں آبائی گاوں محی الدین پور کا ذکر ہے۔

فصل پنجم: میں آپ کی دارالمصنفین اعظم سے پہلی وابستگی۔

فصل ششم: میں مولانا کی دارالمصنفین سے رخصت اور مدراس کے جمالیہ عربی کالج کا اہتمام۔

فصل ہفتم: میں مدراس سے بیس سال بعد واپسی اور دارالمصنفین سے دوبارہ تعلق اوراعلام القرآن کی تصنیف۔

فصل ہشتم: میں دوبارہ مدراس روانگی۔

فصل نہم : میں موہن جڈارو کی زبان کا علم ، اور اس کی دوہزار سے زیادہ مہروں کے پڑھنے کی تفصیلات۔

فصل دہم: میں تحریک خلافت سے وابستگی۔

فصل یازدہم: میں ذوق شعری اور نمونہ کلام۔

فصل آخر؛ میں مختلف مضامین کے اقتباسات۔

مولانا ابوالجلال ندوی غالبا مولانا حمید الدین فراہی کے بعد واحد شخص تھے جنہوں نے باقاعدہ عبرانی زبان سیکھی تھی ، اور اہل کتاب کے مقدس اسفار براہ راست پڑھتے اور سمجھتے تھے،اور کئی ایک علوم میں یکتا تھے ان کا کوئی ثانی نہیں تھا،ان کی تحقیق کا اہم محور ملت ابراہیم اور حنیفیت کی کھوج تھی ،اور ہندوؤں میں رائج رامائن وغیرہ مذہبی داستانوں کے تانے بانوں کو فراعنہ مصر سے جوڑنا تھا۔اوراس سلسلے میں آزاد ہندوستان کے واحد گورنر جنرل راج گوپال آچاریہ (راجہ جی) کے ساتھ مدراس کے ابتدائی قیام میں گفتگو بڑی ندرت رکھتی ہے۔

ملت حنیفیہ کی نشان بستی موہن جداڑو سے مولانا کا تعلق مدراس کے قیام میں ہوا تھا ، اس سلسلے میں تاریخی مواد یہیں کے کتب خانوں سے انہیں پہلے پہل حاصل ہوا تھا،مولانا پاکستان ہجرت کے ارادے سے نہیں گئے تھے، بلکہ موہن جداڑو انہیں اپنی تحقیق مکمل کرنے کے لئے کھینچ لے گیا تھا ، اور حالات ایسے ہوگئے کہ واپس ہندوستان نہ آسکے،لہٰذا انہوں نے اپنے تحقیقی کام کے لئے وہاں کی حکومت کے سامنے کاسہ لیسی نہیں کی ۔ دیکھئے مولانا کی بے قدری کا کتنا بڑا نقصان علم وتحقیق کا ہوا، ذرا کتاب کی اس عبارت کو پڑھئے اور سوچئے۔

﴿میں تو یہاں اس لئے نہیں آنا چاہتا تھا کہ جس چیز کی میں نے مخالفت کی ہے،اس سے فائدہ کس منہ سے اٹھاؤں؟ ہم نے پوری کوشش کی تھی کہ ملک تقسیم نہ ہو۔ ہماری مرضی کے خلاف ملک تقسیم ہوگیا۔ہم نے تسلیم کرلیا، پھر اس کی مخالفت نہیں کی ، میں آیا تھا اس لئے کہ مجھ کو موہن جوداڑو کی مہروں پر تحقیق کرنی تھی ، مجھ کو دلی میں روکا گیا کہ یہیں بیٹھ کر تحقیق کیجئے ۔مولانا آزاد کے سکریٹری جو تھے اجمل خان اور عبدالرزاق ملیح آبادی جو میرے ساتھ پڑھے ہوئے تھے ، وہ روک رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہیں آپ رہئے ، یہیں کام کیجئے ، یہیں آپ کو سب مدد مل جائے گی ۔کانگریس پوری مدد دے گی ، میں نے کہا۔

میں کانگریس کی مدد لے کر کاہے کو اپنے کو بدنام کروں۔

مجھے اب افسوس ہوتا ہے کہ میں وہیں رک گیا ہوتا یا مدراس میں رہ گیا ہوتا تو اپنی سب چیزیں شائع کرواسکتا تھا۔﴾

یہ خواہش ظاہر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کتاب کو اور مفصل ہونا چاہئے تھا،بعض مزید ضروری معلومات اس میں ہونی چاہئے تھیں ،لیکن پھول نہیں تو پنکھڑی ہی سہی ۔ہمیں مولانا کے نواسے یحییٰ بن زکریا صدیقی کی محنتوں کے نتیجے میں منظر عام پر

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

آنے والے مولانا کے علمی آثار کے مجموعے کا انتظار ہے۔

ہماری ناقص رائے ہے کہ مخدوم مہایمی علیہ الرحمۃ کے تعلق سے تاریخ میں جو کوتاہی ہوئی، اس کی بنیادی وجہ آپ کا جنوبی ہند سے ہونا ہے، اور مولانا ابوالجلال صاحب سے بھی بے اعتنائی کا بنیادی سبب آپ کی زندگی کے زیادہ تر ایام کا مدراس (چنئی) میں گزرنا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہاں کے علمی پس منظر کے بارے میں معلومات کی کمی بھی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا جس طرح مشرقی یورپ کے علمی منظر نامے کا تذکرہ ہوا، مصنف آپ کے مدراس کے احباب سے سرسری گزر گئے ہیں، کچھ یہی حال مولانا پرشاہ محی الحق فاروقی کے خاکے کا بھی ہے۔ اس سلسلے میں کچھ تفصیلات سامنے آنی چاہئے تھیں، تاکہ معلوم ہوسکے کہ مولانا ابوالجلال صاحب نے جب مدراس کو منتخب کیا تھا، تو سامنے صرف کشادگی معاش نہیں تھی، بلکہ مدراس کا علمی ماحول آپ کے مزاج کے لئے کتنا سازگار تھا؟۔ چونکہ اس ناچیز نے مدراس (چنئی) کی اس تلچھٹ کو پایا ہے جو مولانا ابوالجلال مرحوم ہمارے وہاں جانے سے بیس پچیس سال پہلے چھوڑ گئے تھے، اور وہ شخصیات جنہیں آپ نے عنفوان شباب میں برتا تھا ان میں سے کئی ایک ہمارے زمانہ طالب علمی میں پیرانہ سالی کے دور سے گزر رہی تھیں، بر سبیل تذکرہ سرسری طور پر ان کا بھی کچھ تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جمالیہ عربک کالج کو ۱۸۹۸ء میں ترچناپلی کے ایک صاحب خیر تاجر جمال محی الدین نے قائم کیا تھا، اور انہی کے قائم کردہ وقف سے یہ ادارہ چلتا تھا، اس کے لئے چندہ نہیں ہوتا تھا، جمالیہ کے علاوہ مدراس کی جامع مسجد پیری میٹ آپ کی یادگار ہے۔

آپ کے فرزند جمال محمد نے ملی خدمت میں بڑا نام کمایا۔ مدراس میں جمال محمد ہائی اسکول۔ اور ترچناپلی میں جمال محمد کالج آپ کی یادگاریں ہیں۔

حکیم اجمل خان آپ کے خاص دوستوں میں تھے، جامعہ ملیہ کے کام سے ڈاکٹر ذاکر حسین کو خاص طور پر انہوں نے آپ کے پاس بھیجا تھا، علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ اقبال کے مدراس کے خطبات کے اصل محرک آپ ہی تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آپ کا تعمیر کردہ جمالیہ ہال آج بھی موجود ہے۔ اس خاندان کی ۱۹۱۸ء سے مسلم لیگ سے وابستگی رہی، تقسیم ہند کے بعد قائم شدہ انڈین یونین مسلم لیگ کے پہلے صدر قائد ملت محمد اسماعیل مرحوم آپ کے داماد تھے، اسی طرح آپ کے فرزند جمال محی الدین آزادی کے بعد مسلم لیگ سے ممبر پارلیمنٹ رہے، اول الذکر کے احترام کا یہ عالم تھا کہ پارلیمانی الیکشن کے موقعہ پر وہ کبھی اپنے حلقے میں ووٹ مانگنے نہیں جاتے تھے، اس کا تذکرہ آصف جیلانی نے جسارت کے اپنے ایک کالم میں بھی تفصیل سے کیا ہے۔ آپ کے ایک فرزند جمال احمد انگریزی زبان کے شاعر، چوتھے فرزند جمال حسین مدراس ہائی کورٹ کے جج تھے۔ جمال محمد کا شمار مدراس کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا، آپ کے زمانے میں جمالیہ کو وسعت ملی، گزشتہ تیس سال قبل تک برصغیر کی یہ واحد دینی درس گاہ تھی جہاں پر ذریعہ تعلیم عربی تھا، اور ۱۹۶۸ء تک تو حکومت مصر اپنے خرچہ پر ازہر کے اساتذہ کو یہاں پڑھانے کے لئے باقاعدہ بھیجا کرتی تھی۔

دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے خاندانی ادارے ان کے قائم کرنے والوں کے معاشی حالات بدلنے کے بعد زیادہ دیر اپنی حالت میں نہیں رہتے، جمالیہ کے ساتھ بھی یہی ہوا، جب ہمارا یہاں پر داخلہ ہوا تھا تو اس کا دور زوال شروع ہو چکا تھا، لیکن اس کا بھرم ابھی باقی تھا، ہندوستان سے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کی تیاری سے قبل عمر آباد وغیرہ بڑے تعلیمی اداروں کے فارغین یہاں عربی زبان کا معیار بہتر کرنے کے لئے آتے تھے، ہمارے زمانے میں یہاں پر اکثریت ملیشیا، انڈونیشیا، سری لنکا، تھائی لینڈ کے طلبہ کی تھی، چند ایک طالب علم بوسنہ کے بھی تھے جو اس وقت یوگوسلاویا کا حصہ تھا، اول الذکر ممالک میں جمالیہ کی سند کو بڑے وقار کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جمال محمد ساتھ ساتھ اچھا علمی ذوق

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

بھی رکھتے تھے ، امپورٹ اکسپورٹ کی سہولت اور مدراس کی بندرگاہ کی اہمیت کے پیش نظر آپ کو لبنان اور مصر سے کتابیں منگوانے کی جو سہولت حاصل تھی اس زمانے میں ایسی سہولت کم ہی لوگوں کو رہی ہوگی ، جمال محمد مرحوم نے باہر ممالک سے خوب نئی نئی کتابیں منگوائیں ۔ مدت دراز کے بعد وہاں پر ہمیں بھی جو کتابیں ملیں ویسی کتابیں بعد میں کہیں اور پڑھنے کو نہیں مل سکیں ۔ ہمارا خیال ہے کہ سرسید احمد خان نے جس طرح علامہ شبلی پر باہر کی نادر کتابوں تک رسائی آسان کی تھی ، کچھ یہی کیفیت جمال محمد کی مولانا ابوالجلال کے ساتھ رہی ہوگی ۔ جمالیہ اسی وجہ سے مولانا کے پاؤں کی بیڑی بنا رہا۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کے ساتھ شہر مدراس علم جدید کا گہوارہ رہا ہے ، انگریزی زبان کا چلن یہاں پر سب سے زیادہ عام تھا ، ۱۹۷۰ء کی دہائی تک جب کہ یہاں ہندی اور ٹامل کا جھگڑا شروع نہیں ہوا تھا ، اور ٹامل قوم پرست تحریک حاوی نہیں ہوئی تھی ، مشہور تھا کہ یہاں کا تانگہ اور رکشا چلانے والا بھی انگریزی فرفر بولتا ہے ، لہٰذا یہاں کی یہ خصوصیت رہی کہ دوسرے علاقوں کے مقابلے میں جدید وقدیم پر یکساں عبور رکھنے والے علماء یہاں پر بہ نسبت دوسرے شہروں کے زیادہ پائے گئے ، جمالیہ کو ساٹھ ستر سال تک مسلسل یہ شرف حاصل رہا کہ اسے ایک ساتھ فصیح انگریزی اور عربی بولنے والے پرنسپل نصیب ہوئے ، یہاں کے مشہور پرنسپلوں میں ہمارے استاد مولانا عبدالوہاب بخاری تھے جو مدراس کی باوقار پریسڈنسی کالج میں شعبہ تاریخ کے صدر رہے ، آپ کا شمار مسلمانوں کے بڑے عصری تعلیمی اداروں میں سے ایک نیو کالج مدراس کے بانیوں میں ہوتا ہے ، مولانا ابوالجلال صاحب کے جانے کے بعد یہی یہاں کے پرنسپل بنے تھے ، مولانا عبدالماجد دریابادی نے آپ کے بارے میں لکھا تھا کہ آپ مسلمانوں میں انگریزی زبان کے سب سے بڑے مقرر ہیں ، اور یہ بھی لکھا کہ ڈاکٹر عبدالحق کرنولی جنوب کے سرسید ہیں تو مولانا بخاری محسن الملک ۔ یہ دونوں یار غار تھے ، ڈاکٹر عبدالحق علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے ۔ آکسفورڈ کے سند یافتہ تھے ، عربی اردو انگریزی پر یکساں عبور تھا ، فسانہ آزاد کی پوری جلدیں پڑھ ڈالی تھیں ۔ زیر تبصرہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا مولانا ابوالجلال کے علم پر بڑا اعتماد تھا ۔ یہاں کے ایک اور پرنسپل ہمارے استاد مولانا محمد حسین بنگلوری مرحوم بھی تھے ، دینی علوم میں فضیلت کے بعد آزادی سے قبل پریسیڈنسی کالج سے قانون میں ماسٹر ڈگری ایل ایل ایم حاصل کی تھی ۔ اسلامیہ کالج کرنول میں عرصے تک پرنسپل رہے ، فقہ اور اصول کے امام تھے ، پروفیسر یوسف کوکن عمری کے بعد جمالیہ بجھ سا گیا ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کا شمار بھی ایک لحاظ سے مدراس والوں میں ہونا چاہئے ، ان کے والد مولانا خلیل اللہ مدراس ہی سے حیدرآباد گئے تھے ، آپ کے تایا زاد مولانا قاضی حبیب اللہ مرحوم کا تذکرہ مصنف نے کیا ہے ، یہ مدراس کے چیف قاضی تھے ، آپ اردو کے اولین سیرت نگار قاضی بدرالدولہ کے پوتے اور ڈاکٹر صاحب کے تایا زاد بھائی تھے ، زہد وتقوی کی ایسی مثالیں اب شاید ہی دیکھنے کو ملیں اس خانوادے میں گزشتہ پچیس پشتوں سے علم وقضاء چلا آرہا ہے ، شہنشاہ جہانگیر سے اب تک کے بادشاہوں اور فرمارواؤں کے فرامین اس خاندان میں محفوظ چلے آرہے ہیں ، اس خانوادے کا کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد اور کتب خانہ محمدیہ مدراس دنیا کے بڑے قلمی کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے ، اور اتنی نسلوں تک جاری ایسے کسی اور علمی خانوادہ کی دوسری مثال برصغیر میں شاید ہی ملے ۔

مولانا ابوالجلال صاحب نے سید سلطان بہمنی اور نذیر احمد شاکر کے ساتھ روزنامہ مسلمان ۱۹۲۷ء میں جاری کیا تھا ، اس پر نوے سال گزر چکے ہیں ، اور آج بھی جاری وساری ہے ، یہ اس وقت اردو زبان کا سب سے قدیم اخبار ہے ، اور پوری دنیا میں ہاتھ کی کتابت سے جاری واحد اخبار ۔ مصنف نے مونٹ روڈ پر واقع دربار ہوٹل کا تذکرہ کیا ہے ، اس زمانے میں ہمارے بھٹکل

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

کے تاجروں کی ہوٹل اور مدراسی لنگیوں کے کاروبار میں بڑی دھاک تھی۔ چونکہ یہ حضرات اردو سلاست سے بولتے تھے، تو مدراس، کیرالا، آندھرا وغیرہ میں شمالی ہند سے آنے والے اہل علم ان سے جلد اپنائیت محسوس کرتے تھے، ان کے ہوٹل ان کے بیٹھنے اٹھنے کے مرکز ہوا کرتے تھے، دربار ہوٹل جہاں واقع تھا، یہاں سے مدراس میں اردو بولنے والوں کا علاقہ ٹرپلیکن شروع ہوتا تھا، مسلمان اخبار کا دفتر قریب ہی میں واقع تھا، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خانوادے کا دیوان باغ، شاہی والا جاہی مسجد، شاہی محل وغیرہ یہیں اڑوس پڑوس میں واقع تھے، لہٰذا ہمارا گمان غالب ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے آپ کا تعارف ابتدائی زمانے ہی کا ہے۔

سیٹھ یعقوب حسن جن کا ذکر کتاب میں آیا ہے، اصل ناگپور کے تھے، لیکن مدراس میں ان کا کاربار تھا، مسلم لیگ کے ابتدائی لوگوں میں تھے، آزادی سے قبل پہلی مقامی کیبنٹ میں راج گوپال اچاریہ جی کی وزارت علیا کے دور میں وزیر بھی رہے، اپنی کتاب الہدی کی وجہ سے بھی پڑھے لکھے حلقہ میں معروف رہے، جمالیہ کے پڑوس ہی میں ان کی کوٹھی تھی، الہدی کی تصنیف میں مولانا ابوالجلال صاحب کی کاوش ہی زیادہ کارفرما تھی، اس کا بہت ہی اعلی اور بھاری بھرکم ایڈیشن آج بھی ہماری نظروں کے سامنے ہے۔

آخر میں یہ تذکرہ کہ جمالیہ اور جمال محمد کی اولاد جمال محی الدین وغیرہ کے مکانات کی قطار کے درمیان جو میدان تھا وہیں پر متحدہ ہندوستان میں جماعت اسلامی کا آخری اجتماع ہوا تھا، بانی جماعت کا آخری دردمندانہ اور تاریخی خطاب یہیں ہوا تھا۔

احمد حاطب صدیقی نے اپنی اس کتاب کے ذریعہ بھولی بسری اپنے دور کی ایک عبقری شخصیت کو نئی زندگی دی ہے، اللہ تعالی ان کے قلم میں اور برکت دے، ان کی تروتازہ تحریروں سے اسی طرح فراموش شدہ شخصیات زندگی پاتی رہیں تو اس سے فرض کفایہ تو ضرور ادا ہوگا۔

مطالعہ سے کیا ملتا ہے

بری صحبت سے تنہائی اچھی ہے، لیکن تنہائی سے پریشان ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس لئے اچھی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ (امام غزالیؒ)

مطالعہ انسان کے لئے اخلاق کا معیار ہے۔ (علامہ اقبالؒ)

تیل کے لئے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے میں رات کو چوکی داروں کی قندیلوں کے پاس کھڑے ہوکر کتاب کا مطالعہ کرتا تھا۔ (حکیم ابونصر فارابیؒ)

ورزش سے جسم مضبوط ہوتا ہے اور مطالعہ کی دماغ کے لئے وہی اہمیت ہے جو ورزش کی جسم کے لئے۔ (ایڈیسن)

مطالعہ سے انسان کی تکمیل ہوتی ہے۔ (بیکن)

مطالعہ کی عادت اختیار کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے گویا دنیا جہان کے دکھوں سے بچنے کے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ تیار کر لی ہے۔ (سمرسٹ ماہم)

تین دن بغیر مطالعہ گزار لینے کے بعد چوتھے روز گفتگو میں پھیکا پن آجاتا ہے۔ (چینی ضرب المثل)

انسان قدرتی مناظر اور کتابوں کے مطالعہ سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ (سسرو)

دماغ کے لئے مطالعہ کی وہی اہمیت ہے جو کنول کے لئے پانی کی۔ (تلسی داس)

جو نوجوان ایمانداری سے کچھ وقت مطالعہ میں صرف کرتا ہے، تو اسے اپنے نتائج کے بارے میں بالکل متفکر نہ ہونا چاہئے۔ (ولیم جیمز)

مطالعہ سے خلوت میں خوشی، تقریر میں زیبائش، ترتیب و تدوین میں استعداد اور تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے (بیکن)

ماخوذ ''امیدوں کا چراغ''

ازمولانا کبیرالدین فاران مظاہری

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

دعوتی سوالات اور میرے جوابات

جناب ریاض موسیٰ ملیباریؒ

قسط:۱۱

برصغیر کے معروف داعی دین جناب ریاض موسیٰ ملیباری، غیر مسلموں میں دعوت کے حوالہ سے ایک بہت معتبر نام ہے، انھوں نے اپنی پوری زندگی اور تمام توانائیاں بلکہ اپنی جمع پونجی بھی اس کارخیر کے لئے وقف کررکھی تھی، اپنے دعوتی تجربات کی روشنی میں انھوں نے اس سلسلہ کے بہت سے سوالوں کے جواب ’’دعوتی سوالات‘‘ کے نام سے مرتب کئے تھے، جنہیں ارمغان کے قارئین کے لئے قسط وار پیش کیا جارہا ہے، یہاں یہ وضاحت مفید ہوگی کہ یہ تمام جوابات دعوتی تناظر میں دیئے گئے ہیں، احکام وفتاوی کے لحاظ سے، اور اپنی ضرورت کے اعتبار سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ امید ہے کہ کاروان دعوت کے مسافر اس کی روشنی میں اپنا سفر اور زیادہ کامیابی کے ساتھ طے کرسکیں گے۔ .....ادارہ

سوال: **گھر کا کوئی ذمہ دار آدمی اسلام قبول کرلے لیکن اس کے گھر والے اپنے پرانے مذہب پر قائم رہیں، ایسی صورت میں گھر میں تفریق پیدا ہوجاتی ہے، کیا ایسے ذمہ دار آدمی کے اسلام قبول کرلینے سے گھر کے بقیہ لوگ بے سہارا نہیں ہو جائیں گے؟**

جواب: کسی کو اللہ تعالیٰ جلدی ہدایت دیتا ہے تو کسی کو کچھ عرصہ بعد اور کسی کو ہدایت دیتا ہی نہیں۔ جب گھر کا ذمہ دار شخص اسلام کو قبول کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کی کفالت کرنا نہ چھوڑے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہیں اسلام کی طرف دعوت بھی دیتا رہے اور ان کے اسلام لے آنے کیلئے اللہ سے دعائیں بھی کرتا رہے۔

ایسا ہی ایک واقعہ ہے کہ ایک باپ نے اسلام قبول کیا اور ۴؍ماہ تک اپنے گھر والوں کی کفالت بھی کرتا رہا جس کی وجہ سے اس کی بیوی اور ۴؍بچوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

اسی طرح ایک سب پولس انسپکٹر نے اسلام قبول کیا، ۲۰؍ سال ہوگئے لیکن اب تک ان کی بیوی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

ایسے ایک برہمن ایڈوکیٹ نے اسلام قبول کیا لیکن ان کی بیوی اسلام کی سخت دشمن تھی ایک دن اس نے خودکشی کرنے کے لئے آواز لگائی لیکن بچوں اور پڑوسیوں نے اسے خودکشی کرنے سے روک لیا۔ اس کے بعد اس کے مسلم ایڈوکیٹ شوہر نے اللہ تعالیٰ پر یقین وتوکل کرتے ہوئے اس کی ہدایت کی دعا کی۔ تو اللہ نے ان کی بیوی اور بچوں کو بھی ہدایت دے دی، انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: **اس ترقی یافتہ دور میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے ساتھ کیا اور بھی دعوت کے طریقے ہیں جو اس ماڈرن دور کیلئے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوں؟**

جواب: زمانے کی ترقی سے کیا مراد ہے؟ یہ کوئی بنیادی ترقی نہیں ہے بلکہ یہ ایک فروعاتی ترقی ہے۔ اگر ہمارے دور سے پہلے لوگ مٹی کی پلیٹ میں کھانا کھاتے تھے اور میرے بچپن میں کانچ کی پلیٹ میں کھانا کھاتے تھے، کچھ عرصہ قبل اسٹیل کی پلیٹ آئیں پھر پلاسٹک کی پلیٹ آئیں تو یہ کوئی بنیادی ترقی نہیں، اگر بھوک لگتی ہے تو کھانا کھانا ہے پلیٹ کے بدلنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

لیکن اللہ کی تعلیمات بنیادی ہیں جیسے اسلام کی تعلیمات

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

ہیں ''کہ چوری نہ کرو''، ''حلال کما کر کھاؤ''، ''دوسروں کو ناحق نہ ستاؤ''، ''غریبوں مسکینوں کی مدد کرو۔''

ان تعلیمات کی ضرورت ہر دور کے انسانوں کیلئے ہے ایسا نہیں کہ صرف اُس زمانے کے لوگوں کو اس کی ضرورت تھی آج کے لوگوں کو اس کی حاجت باقی نہیں رہی۔ جتنا زیادہ جھوٹ پہلے لوگوں میں پایا جاتا تھا اس سے کہیں زیادہ جھوٹ آج کے لوگوں میں پایا جارہا ہے۔ 'جھوٹ' گھٹنے کے بجائے آج پہلے سے دس گنا بڑھ گیا ہے۔

ایسی حالت میں قرآن و حدیث کی تعلیمات کی ضرورت پہلے سے آج دس گنا زیادہ ہے۔ یعنی بنیادی چیزوں میں انسان کی ترقی نہیں ہوئی بلکہ آج وہ مزید تنزلی میں جارہا ہے۔

ترقی اگر ہوئی بھی ہے تو صرف فروعات میں ہوئی ہے، جس کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔ پہلے زمانے میں اس بھارت کی کورٹ اور کچہریوں میں کیس (Case) کم ہوا کرتے تھے۔ لیکن موجودہ حال میں مقدمات کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ چکی ہے، (Cases) کیسز گھٹنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔ اس لئے موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی قرآنی تعلیمات کی ضرورت تمام انسانوں کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

قرآنی آیات انسانی دلوں کو پاک صاف اور بیدار کرتی ہیں نیز دعوت کا تعلق انسان کے دل سے ہوتا ہے، اس لئے دل کو مخاطب کرنے کے لئے قرآنی آیات سے بہتر کوئی اور چیز ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔

انہیں قرآنی آیات کے ذریعہ سے سائنس، ٹکنالوجی پڑھے لکھے لوگ آئے دن اسلام قبول کررہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: **کسی غیر مسلم کو اگر دعوت دی تو کیا وہ ہمارا دشمن نہیں بن جائے گا؟**

جواب: دعوت دینا آپ پر اللہ کا ایک حکم ہے کسی بھی حالت میں آپ کو اس سے آزادی نہیں بلکہ آپ کو اللہ کے اس حکم کی تعمیل کرنی ہی ہے، جیسا آپ سوچتے ہیں اگر ویسا ہی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم وغیرہ بھی سوچتے تو ایک بھی مشرک تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہوتی۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اگر آپ دعوت دیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا ارشاد ہے:

''یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لایھدی القوم الکافرین.'' (۵:۶۷)

ایسی حالت میں آپ اللہ کی حفاظت میں رہیں گے اور کوئی بھی آپ پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت وجرأت نہیں کرسکتا۔ واللہ اعلم

سوال: **حکومت کی طرف سے دعوتی کام میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آسکتی ہیں؟**

جواب: کار دعوت میں حکومت کی طرف سے کیا رکاوٹیں درپیش ہوسکتی ہیں تو سنیے! دستورِ ہند کے مطابق بھارت کے ہر ایک شہری کو تین طرح کے حقوق حاصل ہیں:

۱) ہر شہری اپنی پسند کا مذہب قبول کرے۔
۲) اس مذہب پر آزادی کے ساتھ عمل کرے۔
۳) اپنے مذہب کی تبلیغ اور نشر واشاعت کرے۔

نیز اگر کوئی شخص کسی شہری سے یہ حقوق چھیننے کی کوشش کرے اگرچہ وہ حکومت ہی کیوں نہ ہو عدالت اس کے خلاف بھی کاروائی کرسکتی ہے۔ مزید تفصیل کیلئے کسی وکیل سے رجوع کریں اور دستور ہند کے آرٹیکل ۲۵ تا ۳۰ کو ملاحظہ فرمائیے۔ واللہ اعلم

سوال: **مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ''دعوت'' کی مخالفت کرتے ہیں آخر اس کی اصل وجہ کیا ہے؟**

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے دعوت کی مخالفت مختلف وجوہات کی بنا پر کی جاتی ہے۔ سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ شیطان نے ان کے ذہن و دماغ کو فاسد

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

کردیا ہے اوران کے ذہن و دماغ میں ایک طرح کا ڈر، خوف ودہشت پیدا کردی ہے جس کی بنیاد پر اکثر لوگ دعوت کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ کام انبیاء علیہم السلام کا کام ہے یہ مشن انبیاء عظام علیہم السلام کا ہے۔

اللہ رب العالمین جب اس مشن کے لئے انبیاء علیہم السلام کا انتخاب کرتا ہے تو ایسے ہی لوگوں کو چنتا ہے جو بڑی ہمت وجرأت والے ہوتے ہیں، جن کے اندر ہمت جواں مردی کوٹ کوٹ کر بھری ہو، پھر انہیں منتخب کر لینے کے بعد انہیں یوں ہی چھوڑ نہیں دیتا بلکہ ان کے یقین اور اطمینان کے لئے کافی اہتمام بھی کرتا ہے، اگر ہم لوگوں کا جائزہ لیں تو ہمیں ۱۰٪ فیصد لوگ ہی باہمت جری بہادر، طاقت ور ملیں گے۔ باقی ۹۰٪ فیصد ڈرپوک، کم ہمت، کمزور ناتواں ملیں گے۔

ہمت والا آدمی برداشت صبر سے کام لے گا جبکہ کمزور قسم کے لوگ مخالفت ہی کریں گے، داعی حضرات ایسے لوگوں کا ڈر دھیرے دھیرے ختم کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: **اگر دعوت کے درمیان ہمارا مدعو غصہ ہوجائے، تو ایسے نازک وقت میں ایک داعی کو کیا کرنا چاہیے؟**

جواب: کارِ دعوت کے لئے جاتے وقت ایک داعی کو تنہا اور اکیلا نہیں جانا چاہئے بلکہ کسی ایک اور داعی کو بھی اپنے ہمراہ رکھنا چاہئے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دعوت کے لئے کم از کم دو ساتھی نکلیں اور جب مدعو ہماری دعوت سن کر غضبناک ہوجائے تو اسے سمجھانا چاہیے، اور ہمیں یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اس وقت ہمارا مدعو نہیں بلکہ شیطان غصہ ہوتا ہے۔ زندگی بھر کی محنت کو برباد ہوتے ہوئے دیکھ کر وہ خاموش کیسے بیٹھ سکتا ہے؟

ایسی حالت میں ایک ساتھی اسے سمجھاتا رہے اس کے ساتھ ساتھ دوسرا ساتھی آیت الکرسی پڑھ پڑھ کر مدعو پر دم کرتا رہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ غصہ ختم ہوجائے گا اور ہماری بات سننے کے لئے تیار ہوجائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: 'حکمت' کا مفہوم یہ بتایا جاتا ہے کہ دعوت ایسے انداز میں پیش کی جائے کہ دعوت پیش کرنے کے بعد کسی طرح کے اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے، اس کی تشریح کیجئے؟

جواب: یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر اس زمانے کے لوگوں نے نہ صرف اختلاف رائے رکھا بلکہ انبیاء علیہم السلام کی لوگوں نے جم کر مخالفت بھی کی۔

اس زمانے کی خصوصیت یہ ہے کہ آج کے لوگ اختلاف رائے تو رکھتے ہیں لیکن اس کی مخالفت نہیں کرتے اور اس طرح کے خیالات نظریات پیش کرنے والے امت کے ایسے کم ہمت، کمزور، ناتواں لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر کارِ دعوت کی صلاحیت ہی سرے سے ناپید ہے۔ نیز ان کے اندر نہ تو شرک وکفر کا مقابلہ کرنے کی ہمت وجرأت ہے اور نہ ہی یہ ان کی طاقت اور بس میں ہے۔

تاریخ میں جب جب بھی جہاں جہاں بھی اسلام کی دعوت پیش کی گئی وہاں وہاں شروعات میں حالات بگڑتے ضرور ہیں لیکن اس کے بعد آخر میں کامیابی اسلام ہی کو ملتی ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں حالات اتنے خراب ہوگئے تھے کہ کمزور مسلمانوں کو قتل کیا گیا، مارا، پیٹا، ستایا گیا، تپتی گرم ریت پر لٹایا گیا، رسی میں باندھ کر گھسیٹا گیا، ان پر ہر طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے انہیں بے گھر کیا گیا... تین سال تک شعب ابی طالب میں انہیں قید وبند کی انتہائی تکلیف دہ زندگی گزارنی پڑی۔ غرض یہ کہ مکہ میں مسلمانوں کے حالات اتنے خراب ہوگئے کہ مسلمانوں کا وہاں پر رہنا دوبھر ہوگیا..... اس لئے تاریخ سے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ کوئی اعتراض کرے، ہم سے اختلافِ رائے رکھے، مخالفت کرے کسی بھی حالت میں دعوت کے اس کام سے ہمیں پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ دعوت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

''فلا تطع الکافرین، وجاھدھم بہٖ جھاداً

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

کبیراً. (۲۵:۵۲) یعنی ''آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اور ان سے بذریعہ قرآن بڑے زور کا جہاد کریں۔''

قران مجید نے دعوت کے لئے ''جہاداً کبیرا'' کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لئے دعوت میں کسی طرح کی لچک کی گنجائش نہیں، خواہ کچھ بھی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: **مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی آپسی لڑائی اور جھگڑوں سے کیا اسلام کے عظمت و احترام میں کمی آتی ہے اگر آتی ہے تو ایسی حالت میں دعوت دینے کا کیا فائدہ ؟**

جواب: اللہ تعالیٰ اس امت کی بہت سی چیزوں کی خود حفاظت کرتا ہے چنانچہ اس امت کی عزت و ناموس اللہ رب العزت کی حفاظت میں ہونے کی وجہ سے اس کے عیب غیر مسلموں کو سمجھ میں آتے نہیں ہیں، سوائے بعض غیر مسلموں کے جنہیں اسلام کے بارے میں کافی معلومات ہیں، نیز ہمارے آپسی اختلاف کی وجہ سے اگر غیر مسلم اسلام سے دور ہوتے ہیں تو ہمیں اللہ رب العالمین ایسی صورت میں دنیا اور آخرت دونوں میں ہی سخت عذاب سے دوچار کرے گا۔

اس لئے جو بھی مسلمان اس قسم کے کسی بھی لڑائی جھگڑے میں شریک ہیں تو انہیں اپنی خیر مناتے ہوئے اس قسم کے لڑائی جھگڑے سے اپنا تعلق توڑ کر اللہ رب العالمین سے معافی مانگنی چاہئے اور اس کے ساتھ اور لوگوں کو روکتے بھی رہنا چاہئے جو اس میں شریک ہیں، کیوں کہ اللہ کے یہاں ایک مسلمان کی عزت کا بڑا ہی مقام ہے، کسی ایک مسلمان کی عزت چھیننے والے کو جہنم میں جانا پڑ سکتا ہے۔ تو بتلایئے! کسی ایک بستی، شہر، آبادی پر حملہ کرنے والوں کا انجام کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک مومن کی عزت، جان، مال دوسرے مومن پر حرام ہے۔''

کسی شخص کے بارے میں غلط بات کہنا انتہائی خطرناک بات ہے، اگر مسلمانوں میں کوئی بھی اختلافی مسئلہ پیش آجائے تو ایسی حالت میں قرآن و حدیث کی طرف لوٹ کر اس مسئلے کا حل تلاش کر لینا مسلمانوں پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول**'' دوسری جگہ: ''**انما المومنون اخوۃ فأصلحوا اخویکم.**''

امت کی ایسی حالت میں بھی جس میں ہزاروں مسائل درپیش ہیں، ایسی حالت میں بھی لوگ ہزاروں کی تعداد میں اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس لئے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ''**لاتقنطوا من رحمۃ اللہ**'' مایوسی کفر ہے۔

۱۱ر ستمبر کے واقعہ سے قبل اور بعد صرف تین مہینوں میں تنہا امریکہ ہی میں چھتیس ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ حالانکہ دنیا کے سارے مذاہب اس وقت اسلام پر حملے کر رہے تھے۔ اس لئے یہ بات واضح ہے کہ دنیا کے لاکھوں پروپیگنڈوں کے باوجود لوگ اسلام کی حقیقت کو سمجھ کر اسلام قبول کر رہے ہیں۔ دنیا کے سارے مذاہب اور نظریات کی فطرت یہ ہے کہ اگر دوسرے لوگ اس پر چاروں جانب سے مکمل طور پر حملہ کریں تو ایسی صورت میں وہ مذہب اور نظریہ سطحِ ارضی سے ختم ہو جائے گا۔

اسی لئے 'دشمنانِ اسلام' 'اسلام' کو دنیا سے مٹانے اور ختم کرنے کے لئے اس پر چاروں جانب سے حملے اور یلغار کر رہے ہیں، لیکن مذہبِ اسلام کی فطرت دیگر مذاہب کے مقابلے میں برعکس ہے، اسلام پر حملہ ہونے سے اسلام ختم نہیں ہوگا بلکہ اتنا ہی اسلام نکھرے گا، ابھرے گا اور تیزی کے ساتھ پھیلے گا۔

مکہ کے مشرکین یہ خیال کرتے تھے کہ اسلام پر ہمارے حملہ کرنے کی وجہ سے اسلام روئے زمین سے ختم ہو جائے گا، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے جتنی تیزی سے اسلام پر حملہ کیا اسلام اتنی ہی تیزی سے پھیلا۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر اسلام پر کوئی حملہ ہوتا ہے تو عنقریب اس سے اسلام عروج میں آئے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

کتابیں اپنے آباء کی

قسط (24)

الموسوعة الحديثية لمرويات الإمام أبي حنيفة

از مولانا لطیف الرحمٰن قاسمی

مطیع الرحمٰن عوف ندوی ❖ 9794714117

فن حدیث کی خدمت کے باب میں ملک ہندوستان کو شانِ امتیاز حاصل ہے، اس ملک میں حدیث کی ایسی بیش قیمت تصنیفات معرض وجود میں آئیں کہ پوری دُنیائے علم وفن کو یہ اعترافِ حقیقت کرنا پڑا کہ ہندوستان اس مبارک فن کی خدمات میں عالم دِگر سے سبقت لے گیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اوران کا خانوادۂ ممتاز، پوری دُنیا میں اپنی بیش بہا تصنیفات وتالیفات کی وجہ سے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے علمی وتحقیقی اکیڈمیوں اور اداروں سے فن حدیث کی بے پایاں کتابیں علمی دُنیا میں متعارف ہوئیں تو خانوادۂ فرنگی محل بھی اس باب میں سنہرے حروف سے اپنا نام رقم کراچکا ہے۔

اسی دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل مولانا لطیف الرحمٰن صاحب قاسمی بہرائچی کی ایک تصنیف نے نہ صرف علمی دُنیا میں ایک قابل قدر اضافہ کیا، بلکہ اپنے موضوع کی اہمیت اوراس کی خصوصیات کی بناپر عالم عرب وعجم میں ایک شور بپا کردیا، یہ تصنیف ایسے نازک موضوع پر ہے جسے ایک چیلنج کا جواب بھی کہا جاسکتا ہے۔یعنی ''الموسوعة الحديثية لمرويات الإمام أبي حنيفة '' کیونکہ علمی دُنیا اب تک نہ صرف امام اعظم ابوحنیفہ بن نعمان کی روایات سے نابلد تھی، بلکہ امام صاحب پراس سلسلہ میں بڑے اعتراضات تھے، ان کو قلیل الحدیث کہہ کران کے مسلک پر انگشت نمائی کی جاتی تھی اوران کو ملامت واعتراضات کا ہدف بنایا جاتا تھا، اس موضوع پر علماء کے ایک بڑے طبقہ نے خامہ فرسائی کی کوشش کی لیکن آلام روزگار نے ان کی تکمیل کا خواب تشنہ ہی رہنے دیا۔مفتی فخرالدین الغلائی نے ''سعی السلام مجمع احادیث ابی حنیفہ الامام'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام زاہدالکوثریؒ نے کوشش کی کہ امام صاحب کی احادیث یک جا کی جائیں مگر وہ نہ کرسکے، بلکہ امام جلال الدین السیوطیؒ نے بھی ''تبييض الصحيفه'' میں تمنا ظاہر کی کہ میں امام صاحب کی احادیث کو جمع کروں گا، لیکن: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اسی طرح علامہ ابوالوفاء الافغانیؒ نے بھی ان احادیث کو جمع کرنے کی سعی کی لیکن وہ بھی سعی ناتمام ثابت ہوئی، اس کے بعد انہوں نے مولانا عبدالرشید نعمانی کو یہ کام سپرد کیا، مولانا نے کام شروع کیا لیکن اس کی بھی تکمیل نہ ہوسکی، اس وجہ سے یہ کام علماءِ حدیث بالخصوص علماءِ احناف کے ذمہ قرض تھا جس کو ملک ہندوستان کے لئے باعث فخر وشان مولانا لطیف الرحمٰن صاحب نے انجام تک پہنچادیا۔

اس کتاب کی وجہ تالیف کے تحت مؤلف کتاب تحریر کرتے ہیں کہ:

''یہ بات مسلم ہے کہ ہر ''فقیہ'' محدث، مفسر اورادیب ہوتا

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

ہے، تبھی وہ اجتہاد کا ملکہ حاصل کرتا ہے، اسی طرح سیّدنا امام الائمہ، سراج الامۃ، رئیس الفقہاء، محدث کبیر، حافظ حدیث، امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی (و ۸۰ھ-م ۱۵۰ھ) کے اوصاف مخصوصہ، علم وعمل، زہد وتقویٰ، ریاضت وعبادت اور فہم و فراست کی طرح آپ کی شان محدّثیت، حدیث دانی اور حدیث بیانی بھی اہل ایمان میں مسلم اور ایک نا قابل انکار حقیقت ہے، لیکن اس کے باوجود کچھ کم علم اور متعصب افراد نے امام صاحب پر ''قلیل الحدیث'' اور ''یتیم فی الحدیث'' وغیرہ ہونے کا الزام لگایا جو خالص حسد وعناد پر مبنی ہے۔

مؤلف نے اسی اعتراض کے سدباب کے لئے اس عظیم تصنیف کا بیڑا اُٹھایا اور برسوں کی جاں فشانی اور تگ وتاز کے بعد یہ سلسلۃ الذھب پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

موسوعہ کی تکمیل کے لئے مولانا موصوف نے دُنیا بھر کے کتب خانوں کی خاک چھانی، خاص طور سے ہندوستان، پاکستان، مصر، ترکی، روس، انڈونیشیا اور سعودی عرب کے مخطوطات کی فہرست کو کھنگالا، اور اس فن کے ماہرین سے رابطہ کیا، احادیث کی تمام کتابوں کی ورق گردانی کی، خواہ وہ مسانید ہوں یا سنن یا صحاح یا جوامع یا مصنفات یا مستدرکات یا معاجم یا اجزاء یا مشکل آثار یا کتب الزوائد، یا کتب افراد وغرائب، یا کتب رجال، یا تاریخ، یا طبقات وتراجم وغیرہ۔ غرضیکہ قرنِ اوّل اور اس کے بعد فن حدیث پر جو بھی کام ہوا ہے اس سے مکمل استفادہ کرکے امام صاحب کی روایات کو ایک جگہ جمع کیا جس عرق ریزی سے متعدد نسخے ہاتھ لگے، خاص طور پر

۱۔ مسند حارثی

۲۔ فضائل الامام ابی حنیفہ لابن ابی العوام

۳۔ مسند ابی حنیفہ لابن خسرو

یہ نسخے بھی الحمدللہ طبع ہوئے اور علمی دُنیا کو ان سے استفادہ کا موقع ملا۔

مولانا لطیف الرحمٰن صاحب نے پندرہ سال کی شب وروز محنت کے بعد تقریباً ۱۰۴ کتابوں سے امام صاحب کی ۱۰۶۱۳ (دس ہزار چھ سو تیرہ) روایات جمع کیں، ان پر تحقیقی کام کیا، پھر یہ کاوش ''الموسوعة الحديثية لمرويات الإمام أبي حنيفه'' کے نام سے بیس ضخیم جلدوں میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں امام اعظم کا مکمل دفاع، علم حدیث میں آپ کا عظیم مقام اور آپ کی روایات پر ہوئے کام کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، اس عظیم کارنامہ پر علماء نے تحریر کیا کہ:

''علماء احناف پر امام صاحب کا ایک قرض تھا جو ادا ہوگیا''

مولانا نے اس کتاب کا ایک طویل مقدمہ بھی تحریر فرمایا جو کتاب کی تین جلدوں پر مشتمل ہے، کتاب کے رواۃ کے تراجم کی تعداد ۲۳۱۴ ہے۔ دو جلدوں میں تراجم رواۃ ہے، ۲ جلدوں میں فہرست، بارہ جلدوں میں احادیث، اس طرح کل بیس جلدوں میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اس کتاب کے تعارف پر دو رسالے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ علوم اسلامیہ کی تاریخ کا ایک بے مثال علمی کارنامہ ''الموسوعة الحديثية لمرويات الإمام أبي حنيفه'' از مولانا حذیفہ بن مولانا غلام محمد وستانوی۔

۲۔ ''حضرت امام ابوحنیفہ اور علم حدیث''۔ از مولانا محمد جسیم الدین قاسمی شعبہ افتاء دارالعلوم دیوبند۔

مولانا کے اس عظیم کارنامہ پر پوری دُنیا سے داد وتحسین کی صدائیں بلند ہوئیں، برطانیہ کے شیخ عمر بن عبدالواحد نے فرط جذبات میں آکر مؤلف کی زیارت کی تمنا ظاہر کی۔ شیخ فیصل احمد خاں کراچی نے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ جنوبی امریکہ سے شیخ محمد سہیل فاروق نے فاضل مؤلف کو ڈھیر ساری دُعاؤں سے نوازا اور اس عظیم علمی کارنامے پر مبارکباد دی، الغرض پوری دُنیا میں اس کتاب کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور یقیناً وہ گھڑی آن پہنچی جس کا مدت سے انتظار تھا.....☆.....

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

خبروں کی دنیا

News World

محمد ادریس ولی اللہی

۱۵/اگست کو جامعہ پھلت میں پرچم کشائی

جامعہ امام ولی اللہ پھلت میں یوم آزادی کی مناسبت سے ۱۵/اگست کی صبح کو پرچم کشائی کی مختصر تقریب انجام پائی، موجودہ وبائی حالات کے پیش نظر اس موقع پر علاقہ کے عوام اور اہل تعلق کو دعوت نہیں دی گئی تھی، اساتذہ کی موجودگی میں جامعہ کے مہتمم مولانا محمد طاہر ندوی نے قومی پرچم لہرایا، پھر سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا پڑھا گیا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد طاہر ندوی نے مجاہدین آزادی کو خراج عقیدت پیش کیا، اور فرمایا کہ ہمیں اپنی آزادی کی یہ تاریخ یاد رکھنی چاہئے اور اپنی نسلوں میں منتقل کرنی چاہئے۔ ماہنامہ ارمغان کے مدیر مولانا وصی سلیمان ندوی نے کہا کہ پھلت کی اس تاریخی سرزمین سے ملک کی آزادی کے لئے بالکل ابتدائی صدا بلند کی گئی تھی، اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے تمام اہل وطن سے ملک کو انگریزوں سے آزاد کرانے کی اپیل کی تھی، انھوں نے خانوادہ ولی اللہی اور اصحاب پھلت کی اس میدان میں خدمات کا ذکر بھی کیا۔ ڈاکٹر مفتی محمد عاشق صدیقی پھلتی نے آزادی کی نعمت کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ جب ہمارا ملک غلام تھا تو حالات کتنے ابتر تھے، اور پورا ملک انگریزوں کی غلامی سے کس قدر کراہ رہا تھا، ان حالات میں ہمارے بزرگوں نے جو کوششیں کیں وہ اس ملک کی تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جن کی قربانیوں سے ملک آزاد ہوا تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اس وقت اپنا ۷۵/واں یوم آزادی منا رہے ہیں۔

پھلت میں جناب اننت بھاگوت کی آمد

۱۸/اگست کی صبح ۱۱ بجے جامعہ امام ولی اللہ پھلت میں ملک کے ایک اہم سماجی قائد گلوبل اسٹرے ٹیجک پالیسی فاؤنڈیشن کے صدر جناب اننت بھاگوت تشریف لائے جہاں ان کا پھولوں کی بارش کے ساتھ شاندار استقبال کیا گیا، وہ یہاں مولانا محمد کلیم صدیقی کو اپنی تنظیم گلوبل اسٹرے ٹیجک پالیسی فاؤنڈیشن پونے کی جانب سے ممبئی میں ہونے والے اپنے ایک پروگرام کی دعوت دینے کے لئے آئے تھے، اس موقع پر انھوں نے کہا کہ پھلت گاؤں میں آکر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے، اس گاؤں کا ملک کی آزادی میں بڑا اہم رول ہے، اور اسلامی تاریخ میں بھی اس کا نام اور کام بڑی شہرت رکھتا ہے، میں یہاں اس بستی میں بھائی چارہ کا پیغام لے کر آیا ہوں، انھوں نے کہا کہ 1857 میں اس علاقہ کا ملک کی آزادی میں خاص حصہ رہا ہے، انھوں نے بتایا کہ ممبئی میں ہونے والے پروگرام کا مقصد آپسی بھائی چارہ کو مضبوط کرنا ہے، اس کے واسطے سے تمام مذاہب کے لوگ اپنی بات رکھ کر آپسی سماجی دوریوں کو ختم کریں گے، امید ہے کہ تمام مذاہب کے لوگوں تک اس کا بہتر پیغام پہنچے گا اور آپسی اتحاد کو بڑھاوا ملے گا، اس پروگرام میں ملک کی متعدد اہم شخصیات شریک ہو رہی ہیں، انھوں نے کہا کہ آپسی ڈائیلاگ کے ذریعہ ہی مختلف طبقات کے لوگوں کے درمیان پائی جانے والی دوریوں کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ یہاں انھوں نے جامعہ کے مختلف شعبہ جات کی زیارت کی اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں، اور جامعہ کے ناظم حضرت مولانا کلیم صدیقی کو اپنے پروگرام کا دعوت نامہ پیش کیا۔ مہمان مکرم کا استقبال کرتے ہوئے مولانا محمد کلیم صدیقی نے فرمایا پھلت کی اس تاریخی بستی میں ہم اپنے مہمان کا پرزور خیر مقدم کرتے ہیں، جہاں کے ہر خاندان کے ایک فرد نے ملک کی آزادی کی جنگ میں قربانی دی تھی، اور یہاں کی روشن تاریخ ہم سب کے لئے قابل فخر ہے۔ ڈاکٹر محمد سلیم صدیقی اور ان کے ساتھیوں نے شال اڑھا کر اور مومنٹو پیش کر کے مہمانوں کا اعزاز کیا اور شکریہ ادا کیا۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

فقہی مسائل

مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی

س: کیا عدت کی حالت میں سگے دیور (شوہر کے چھوٹے بھائی) کے لڑکوں سے عورت پردا کھول سکتی ہے یا پردا کرنا ہوگا جبکہ گھر ایک ہی ہے اور سب وہیں رہتے ہیں، کیا کریں؟

ج: اگر دیور جیٹھ کے بچے بہت چھوٹے ہیں مثلاً چھ سات سال یا اس سے کم ان کی عمر ہے تب تو ان سے پردہ واجب نہیں، اگر یہ لڑکے قریب البلوغ یا بالغ ہیں تو چونکہ دیور اور جیٹھ کے لڑکے شرعی محارم نہیں پس ان سے دوران عدت بھی پردہ ہے ان سے اس خاتون کے چہرہ کا بھی پردہ ہے، الغرض پردہ کے حکم میں ان دونوں کے لڑکے اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں ہاں اگر ایک ہی گھر میں رہتے ہوں اور ضرورت پیش آجائے تو بڑی سی اوڑھنی وغیرہ ڈال کر ضروری گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح فون کے ذریعہ بھی ضرورت پوری کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے پردہ بہرحال ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواف

س: گروی رکھے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ کس کے ذمہ واجب ہے، راہن پر یا مرتہن پر؟

ج: گروی (رہن) رکھے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ نہ تو راہن کے ذمہ واجب ہوتی ہے اور نہ ہی مرتہن کے ذمہ، کیوں کہ زکاۃ کے وجوب کے لیے مالِ زکوۃ کی ملکیت اور اس مال پر قبضہ دونوں کا ہونا شرط ہے، جب کہ راہن (گروی رکھوانے والے) کو گروی رکھے ہوئے زیورات پر قبضہ اور تصرف کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، جب کہ مرتہن (جس کے پاس زیور گروی رکھا ہو) کو گروی کے زیورات کی ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔ (الفتاوی الہندیۃ (1/172): ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض، أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لاتجب فيه الزكاة، كذا في السراج الوهاج ...ولا على الراهن إذا كان الرهن في يد المرتهن، هكذا في البحر الرائق. الدرالمختار وحاشیۃ ابن عابدین (ردالمحتار) (2/263): فقط واللہ اعلم

س: اسلام میں کچھوا کھانا کیسا ہے؟ بیمار آدمی اگر بطور علاج ضرورت سمجھے تو کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ ایک وید نے بتایا ہے کہ کچھوا کھانے سے تمہارا علاج ہوجائے گا، ایسے میں کیا کریں؟

ج: کچھوا کھانا جائز نہیں ہے، بغرض علاج دوائی کے طور پر ایسی مجبوری میں گنجائش ہے، جب کہ اس مرض کی جائز متبادل دوا موجود نہ ہو اور پھر کوئی مسلمان دین دار تجربہ کار ماہر ڈاکٹر تجویز کردے کہ کچھوا کھانے ہی سے شفایابی ہوسکتی ہے تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت استعمال کرنے کی اجازت ہوگی، دوا موجود ہے تو پھر دوا سے علاج کریں۔ وهل يجوز شرب العليل من الخمر للتداوى، فيه وجهان: كذا ذكره الإمام التمرتاشي وكذا في الذخيرة وما قيل إن الاستشفاء بالحرام حرام غير مجرى على إطلاقه وإن الاستشفاء بالحرام إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاء وأما إذا علم وليس له دواء غيره يجوز (شامی)

س: ایک صاحب نے عید کی نماز کے بعد خطبہ سے پہلے ہی قربانی کرلی تو کیا ایسا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

ج: شہر میں قربانی کا وقت چونکہ عید کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی نے عید کی نماز کے بعد خطبہ سے قبل قربانی کی تو درست تو ہوجائے گی؛ لیکن اچھا نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ خطبہ کے بعد ہی قربانی کی جائے۔ واللہ اعلم۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

آخری صفحہ کا بقیہ

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے مطلب پتا تھا اور وہی جو آپ نے بتایا لیکن میں ایک سروے کر رہا تھا کہ کتنے لوگ سمجھ کر نماز پڑھتے ہیں، اگر آپ کو دلچسپی ہو تو میں اپنے سروے کے نتائج آپ کو بتاؤں''، اس نے وہی پرچی اپنی جیب سے نکالتے ہوئے کہا۔

''ضرور کیوں نہیں! ایسا کرتے ہیں کہ اندر چل کر بیٹھتے ہیں شاید کسی کو جوتے پہننے یا اتارنے کے لئے جگہ کی ضرورت ہو۔ ویسے بھی اکّا دُکّا نمازی ہی رہ گئے ہیں اندر'' ہم نے نوجوان کے سروے میں دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں وہاں سے اٹھ کر مسجد کے صحن میں آ گئے اور ایک ایسا گوشہ تلاش کر لیا جہاں سے کسی نمازی کی، ہماری دھیمی گفتگو سے یک سوئی متاثر نہ کرے۔

''ہاں میاں! پہلے تو آپ اپنا تعارف کرائیں اور پھر اپنے سروے کے بارے میں بتائیں'' ہم نے مزید اپنی دلچسپی اور تجسس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

اپنا مختصر تعارف کروانے کے بعد اس نے پرچی کھولی، ''میں نے 27 نمازیوں سے یہ سوال پوچھا۔ میرا ہدف وہ لوگ تھے جنہیں میں باقاعدگی سے نماز پڑھتے دیکھتا تھا۔ 15 لوگوں نے کہا: "امام صاحب سے پوچھیں"۔ سات (7) لوگوں نے آپ والا ہی جواب دیا کہ " آپ کو نہیں پتا؟" اور تیزی سے گذر گئے۔ تین (3) کا مشورہ تھا کہ "نماز کی کتاب دیکھیں" اور دو (2) نے صاف کہا کہ " صحیح سے نہیں پتا"۔ بہت سے لوگوں نے تو شاید ڈرتے ہوئے بات ہی نہیں سنی کہ کہیں انہیں پیسوں سے مدد کا نہ کہہ دیا جائے۔

''اس سروے کی ضرورت آپ کو کیوں پیش آئی؟'' ہم نے نوجوان سے پوچھا۔

''اس لئے کہ ہم نے لوگوں کی نماز میں چوری دیکھی تھی تو ہمیں خیال پیدا ہوا کہ دیکھیں کہ انہیں پتا بھی ہے کہ نماز آخر ہے کیا؟'' نوجوان کا نماز سے لگاؤ اس کی گفتگو سے عیاں تھا، جب اس نے نماز میں چوری کی اصطلاح استعمال کی۔

''شاباش! ماشاءاللہ آپ نے تو حیران کر دیا۔ لیکن یہ تو بڑی مایوس کن صورتِ حال نکلی۔ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟'' ہم نے نوجوان کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''صاحب میرا ارادہ ہے کہ کسی کا نام ظاہر کئے بغیر، ان نتائج سے مسجد کے امام صاحب کو آگاہ کروں اور انہیں مشورہ دوں کہ وہ نمازیوں کو صحیح نماز، اس کے معنی کے ساتھ سکھائیں، کیونکہ نبی ﷺ کی حدیث صحیح بخاری میں ہے کہ ''نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے'' تو کیا آپ ﷺ بغیر سمجھے نماز پڑھتے ہوں گے؟ ظاہر ہے ایسا نہیں ہے۔ تو کیا ہمیں بھی نماز کو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت نہیں؟'' نوجوان نے بڑے جذباتی انداز سے اپنا ارادہ ہمیں بتایا۔

ہم نے اس چھوٹی سی عمر میں نوجوان کی اتنی عمدہ و مثبت سوچ، طریقہ کار اور ارادے کی، ایک مرتبہ پھر کھل کر تعریف کی۔ اور ضرورت پڑنے پر اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

کسی معمولی سے معمولی انسان کے پاس ہم جائیں اور ہمیں یہ ہی معلوم نہ ہو کہ ہم جو گذارش کر رہے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ تو وہ ہماری درخواست کیسے منظور کر سکتا ہے۔ ہم احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور ہمیں معلوم ہی نہ ہو کہ ہم جو حمد و ثنا یا درخواست اس ذات عالی کے دربار میں پیش کرتے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ تو اس درخواست کے قبول ہونے کی ہم کیوں کر امید کر سکتے ہیں۔

کاش ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں نماز کو احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری کا حق ادا کرتے ہوئے معنی سمجھ کر خشوع خضوع سے ادا کرنے والے ہوتے۔

PDF Created by #Mohammad Yousuf Usman {e-Mail : purkhas@gmail.com} WhatsApp No.: +91 9412583371

آخری صفحہ

مسجد میں ایک نوجوان کی انوکھی واردات

آج صبح صبح دل کولگتی ایک پوسٹ ایک دوست نے بھیجی تو لگا کہ قارئین ارمغان کی خدمت میں پیش آخری صفحہ میں پیش کردوں۔

''پچھلے اتوار نمازِ عصر کے بعد ہم اپنی چپلیں اٹھانے شیلف کے پاس آئے تو دیکھا کہ ایک صحت مند خوش پوش نوجوان باہر نکلنے کی راہ داری میں کھڑا لوگوں سے کچھ سوال کررہا ہے۔ہم وہیں رک گئے اور اس لڑکے کے حلیے کا تفصیلی جائزہ لیا۔وہ کہیں سے مانگنے والا نظر نہیں آیا۔پھر ہم نے اپنے خیال کو جھٹک دیا کہ ایسے ہی کچھ لوگوں کو سڑک پر ہاتھ پھیلائے روز دیکھتے ہیں۔ہم نے دیکھا کہ وہ لڑکا اپنے قریب سے گذرنے والے شخص سے کوئی سوال کرتا ہے اور لوگ اسے مختصر سا جواب دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں، کسی نے اسے کچھ نہیں دیا۔کیونکہ اس نے ماسک پہنا ہوا تھا۔

ہم نے فیصلہ کیا کہ اسے سمجھانا چاہیے کہ مانگنا اچھی بات نہیں، اور اسی ارادے سے اس کے قریب رہتے ہوئے راہ داری پر چل پڑے۔

''السلام علیکم! ایک بات پوچھنی تھی؟'' ہمیں قریب آتا دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

''وعلیکم السلام! جی پوچھیں'' ہم نے اس سے فاصلہ رکھتے ہوئے راستہ چھوڑ کر رکتے ہوئے کہا۔

''سمع اللّٰہ لمن حمدہ کا کیا مطلب ہے؟'' اس نے جاننے کا تأثر دیتے ہوئے پوچھا۔

آپ کو نہیں پتا؟'' ہم نے حیران ہوتے ہوئے جواباً پوچھا۔

''آپ کو پتا ہے تو بتا دیں ورنہ کوئی بات نہیں'' اس نے بڑے احترام سے اپنا سوال دوہرایا۔

''بیٹا اس کا مطلب ہے، اللّٰہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی'' ہم نے مسکرا کر جواب دیا اور اسے دعا دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔اب ہمارے دل میں اس کے لئے اچھے جذبات تھے کہ وہ مانگنے والا نہیں تھا۔

مسجد سے نکلنے سے پہلے ہم نے پلٹ کر دیکھا تو وہ لڑکا اب بھی وہیں کھڑا تھا، ہمیں یہ عجیب لگا، ہم گیٹ سے ہٹ کر کھڑے ہوگئے تاکہ اس پر نظر رکھیں۔وہ اسی طرح لوگوں سے سوال کررہا تھا، اس مرتبہ ہم نے مشاہدہ کیا کہ وہ ایک پرچی پر کچھ نوٹ بھی کرتا جارہا ہے۔ ہم قریب ہی گیٹ کے ساتھ جوتے پہننے والوں کے لئے رکھے صوفے پر بیٹھ گئے کہ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوتو اس سے معلوم کریں کہ جب ہم نے مطلب بتا دیا تو وہ کیوں اور لوگوں سے پوچھ رہا ہے؟ کیا اسے ہمارے بتائے مطلب سے اتفاق نہیں؟ یا کوئی اور ہی معاملہ ہے؟

پانچ منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ اس نے اپنی پرچی کا جائزہ لیا اور اس پر مختصر سا کچھ لکھ کر جیب میں ڈالا اور اپنی چپل اٹھا کر گیٹ پر آ گیا۔

''بیٹا! کیا آپ ہمیں پانچ منٹ دے سکتے ہیں؟'' باہر نکلنے سے پہلے ہم نے اسے پکڑ لیا۔

جی صاحب، فرمائیں'' اس کا انداز مؤدبانہ تھا۔

''تشریف رکھیں'' ہم نے اپنی سے دور والی نشست کی طرف اشارہ کیا۔''کیا ہم یہ جان سکتے ہیں کہ ہم سے سمع اللّٰہ لمن حمدہ کے معنی جان لینے کے بعد آپ اور لوگوں سے کیا پوچھ رہے تھے؟'' اس کے نشست پہ بیٹھنے پر ہم نے سوال کیا۔

''صاحب! میں ان سے بھی "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کا مطلب پوچھ رہا تھا؟'' اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

''کیا آپ ہمارے جواب سے مطمئن نہیں یا اسے غلط سمجھ رہے ہیں؟'' ہمیں کچھ تشویش ہوئی۔

بقیہ پچھلے صفحہ...۳۹.... پر

مولانا محمّد کلیم صدیقی